



ایک پُر اسرار ناول

پُر اسرار خط

لود لمبر: 216558

گراجی کٹ ڈ
شہزادہ فیض میر

اشتیاق احمد

شیخ غلام علی اینڈ سفن (پرائیویٹ) لیمیٹڈ، پبلیشورز،
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی



گذارشے!

"پر اسرار خط" ماہنامہ جگنو میں نقط وار شائع
ہوتا رہا ہے.... پھر اس کی اقسام بند کر دی
گئیں۔ پروگرام یہ تھا کہ اسے فوری طور پر
ناول کی صورت میں شائع کر دیا جائے، لیکن
اتفاق ایسا ہوا کہ مسودہ ادھر ادھر ہو گیا۔
بہت دنوں تک اس کی تلاش جاری رہی۔
اور اب یہ کتابی صورت میں آپ کی خدمت
میں پیش ہے۔ آپ نے اس کے لئے بہت انتظار
کیا ہے آپ نے ڈھیروں خط بھی لکھے.....
لیکن افسوس..... وقت پر ہم اسے کتابی صورت
میں پیش نہ کر سکے۔
اب آپ اسے پا کر اس طرح خوش ہوں گے
جیسے کوئی کم پڑھدہ نہیں کھونا مل جاتا ہے۔

طبع: شیخ نیاز احمد

طبع: غلام علی پندرہ
جامعہ اسلامیہ، اچھرہ، لاہور

قیمت: ۰/- روپے

مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرنیٹ)، لیڈنڈ پبلیشورز
ادبی مارکیٹ، پچک انارکی، لاہور



باب

وہ شام کی چائے پی رہے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بیکی فرزان
ایک دم اٹھتے ہوئے بولی۔

”معلوم ہوتا ہے پروفیسر انکل آئے ہیں۔“

”تمہیں معلوم ہوتا ہو گا۔ میرا تو خیال ہے، انکل خان۔ رحمان
آئے ہیں“ فاروق نے کہا

”اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دونوں ایک ساتھ
آئے ہیں۔“ محمود مسکرا یا۔

”توبہ ہے بحث کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ پہلے جا کر
دروازہ کھول ڈالو۔“ جمیں جشید بولیں۔

”بالکل یہی بہتر ہے۔ فرزان چاؤ پہلے دروازے پر دیکھو۔“
انپکڑ جشید بولے۔

”جی اچھا۔“ فرزان نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑی
گئی۔

”تم دیکھ لینا، فرزان انکل رحمان کو ساتھ لے کر اندر آئے

محسود، فاروق اور فرزان جہاں آپ کو ہنسائیں
گے، وہاں کام کرتے بھی نظر آئیں گے اور آخر
میں آپ انہیں داد دیے بغیر نہیں رہ سکیں گے،
کیونکہ انہوں نے اپنے اپنے حصے کا کام خوب ادا
کیا ہے.....

ایمہ ہے پسند فرمائیں گے اور اپنے پیارے
پیارے خلائق ذریعے رائے بھی دیں گے۔

مشکریہ

اشتیاق احمد

۲۔ شیخ سفریث۔ اسلام پورہ
لاہور

چیچے ہٹانا ہوں گے اور ایک عدد رن وے بخاتا پڑے کا، تب
کہیں جا کر تمیں ہوائی جہاز کی شکل نظر آ سکتی ہے۔ البتہ اگر تم یہ میں
کو پڑپت کی امید لے کر جاؤ تو شاید وہ تو نظر آ جائے، کیونکہ ہمارا میں
معلق ہو جاتا ہے۔ فاروق کہتے کہتے ایک دم رُک گیا۔

لبیں کہہ چھے، یا کچھ اور باقی ہے۔ فرزانہ نے جل کر کہا۔
”باقی آئندہ اس وقت با توں کا ذخیرہ آنا ہی تھا“ فاروق شریعہ

انداز میں مسکرا یا۔

”شکر ہے خدا کا“ فرزانہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔
”تم نے اس مرتبہ یہ میں کہا کہ میری زبان پتھ کی طرح پس رہی

ہے۔“ فاروق نے گویا حیرت کا منظاہرہ کیا۔

”پرانی بات ہو چکی ہے۔ اب تو یہ راکت کی طرح چلنے کی ہے۔“
فرزانہ جل کر بولی۔

”اڑے، پس! چھڑ تو ہم چاند پر بھی جا سکتے ہیں اس پر مجھ کر فاروق
نے خوش ہو کر کہا۔

”چاند پر جا کر کیا کرو گے، وہاں تو لوگ پہنچے ہی قبضہ جا چکے
ہیں، تم تو اپنی زبان پر بیٹھ کر سورج پر چلے جاؤ“ فرزانہ نے مسکرا
کر کہا۔

”لما۔“ بے چارہ سورج۔ فاروق نے ٹھنڈا سانس بھرا۔
”یہ تم سورج کو بے چارہ کیوں کہہ رہے ہیں؟“ محمود نے حیران

گی۔ ”فاروق نے اس کے جاتے ہی کہا۔
”اچھا، دیکھو لوں گا“ محمود روئی صورت بنانے کے لئے کہا۔

”یہ تمہاری آواز بھیک کیوں مانگ رہی ہے؟“ فاروق نے
حیران ہو کر کہا۔

”تمہارے اندازے پر فاتحہ پڑھ رہی ہے“ اس بار محمود
مسکرا یا۔

”کیوں کیوں۔ میرا کون سا اندازہ خلط شابت ہوا ہے“ فاروق
بولा۔

”یہی اندازہ کو فرزانہ انکل رحمان کوے کے کو اندرا آئے گی۔“
فاروق نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں فرزانہ
کے ساتھ نہ پرو فیسر داؤد آتے نظر آئے، نہ خان رحمان، بلکہ وہ
تنہا چلی آ رہی تھی البتہ اس کے ہاتھ میں ایک خلط تھا۔

”ڈاکیہ تھا“ اس نے قریب آنے پر بڑا سامنہ بنانے کے کہا اور
خط اپنے والد کے سامنے رکھ دیا۔

”ڈاکیہ کوئی اعمی بھری چیز تو نہیں ہوتا کہ جلا۔ منہ بنارہی ہو“
فاروق بولा۔

”لیکن میں پرو فیسر انکل کی امید لے کر کی تھی“ فرزانہ تھلٹا اٹھی
”امید تو تم ہوائی جہاز کی بھی لے کر جا سکتی ہو، حالانکہ ہوائی
جہاز ہمارے گھر تک آہی نہیں سکتا، اس کے لئے مکانات وغیرہ

"خدا اتنے بلے اور بڑے بڑے کان کسی کو نہ دے؟" محمود
نے اپنے کافلوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔
"میرے کان بلے کب میں" فرزانہ نے جھلکا کر کہا۔
"ہاتھی کے کافلوں سے تو کیا کم ہوں گے" فاروق مسکرا کیا۔
بیگم جمشید مسکرا دیں۔ اسی وقت محمود کی نظر ان پے والد پر
پڑی۔ انکے چہرے سے وہ مسکراہٹ غائب تھی جو ان کی باتیں
سن کر محمودار ہو رہی تھی۔ مسکراہٹ کی جگہ اب گھری سنجیدگی
نے ہی تھی، بلکہ اب وہ کچھ فکر مند سے لگ رہے تھے۔
محمود کے ساتھ ساتھ فاروق فرزانہ اور بیگم جمشید نے بھی
ان کی طرف دیکھا اور پھر ڈنم اٹھی۔

ان کے والد خلط کے اوپر اس طرح نقطہ جانے بیٹھتے
جیسے کسی جادو کے دلیں میں پچھے مڑ کر دیکھ لینے پر پتھر کے بن
گئے ہوں۔ انہوں نے اس پتھر جمشید کو اپنی پوری زندگی میں کبھی
اس حد تک سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں
نے خلط کے الفاظ کو دوسری اور تیسری مرتبہ پڑھا۔ آخر ان سے
رہا نہ گیا۔

"آبا جان! کس کا ہے یہ خط؟" محمود نے پوچھا۔
ان پتھر جمشید نے اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنی کرسی
پر بٹ نہیں بیٹھتے رہے۔

ہو کر پوچھا۔
"وہ یہ سوتھ کر کتنا کڑھتا ہو گا کہ دنیا والے چاند پر
جانے کے لیے تو ہر روز کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی مجھے عزیز
پر آنے کا خیال تک دل میں نہیں لاتے۔"
"بات تو ٹھیک ہے۔ آخر لوگ سورج پر جانے کی کوشش
کیوں نہیں کرتے؟" اس مرتبہ بیگم جمشید بول اٹھیں۔
"جل کر راکھ نہ ہو جائیں۔" محمود نے کہا۔
"ویکھا اپنی جان۔ مجھے راکھ بنانا چاہتی ہے۔ ابھی ابھی سورج
پر جانے کا مشورہ دے رہی تھی۔ فاروق نے فرزانہ کو کھا جائیوں والی
نظرؤں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مشورہ اس لیے دے رہی تھی کہ تمہاری راکٹ کی طرح
چلنے والی زبان سے کسی طرح چھکا را مل جائے۔" فرزانہ مسکرانی۔
"ٹھیک ہے۔ اگر انہی جان اجازت دے دیں تو میں تمہاری
ناصر سورج پر جا کر آباد ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہیں
ناراضن کرنا پسند نہیں کرتا۔" فاروق نے مقصودانہ انداز میں کہا۔
"اوہ جو! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" فرزانہ نے مصنوعی حیرت کا
منظارہ کیا۔

ما شام اللہ تمہارے کان کا نی قیز ہیں" فاروق نے طنزیہ لمحے
میں کہا۔

بائب

وہ کئی ملحوں تک گم صورتی رہے۔ پھر ان کی اتنی بھی اٹھ کھڑی
بوئیں اور اسی کمرے میں چلی کیئیں جس میں انپکڑ جمیشید گئے تھے۔
”آؤ ہم بھی اپنے کھوئے میں چلیں“ محمود نے اداس بجھے میں کہا۔
”ہاں، چلو“ فاروق بولا۔

تینوں اٹھے اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ اپنے والد
کے کمرے کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی اتنی کی آواز سناتی
دے رہی تھی۔ وہ بکہ رہی تھیں۔
”آپ نے ان عزیزیوں کو نا حق پریشان کر دیا ہے۔ آخر خط دکھا
دنیے میں کیا حرج تھا۔“

”تم نہیں جانتیں یہیں۔ اگر میں یہ خط انہیں دکھا دیتا تو ان پر
بھوت سوار ہو جاتا۔“ انپکڑ جمیشید کی آواز آئی۔

”بھوت۔ کیا بھوت؟“

”جا سوئی کا بھوت!“

”کیا مطلب؟“ بیگم جمیشید کی جھرت زدہ آواز سنائی دی۔
”بس اس سے زیادہ تو میں تمہیں بھی نہیں بتاؤں گا۔“

”کچھ تو بتائیے آبا جان۔ آخر یہ خط کیا ہے۔ اس میں کیا ہے۔
آخر آپ بولتے کیوں نہیں؟“ فاروق نے بے چینی سے پھلو بنتے ہونے
کہا۔

اور پھر کمرے میں گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔ انپکڑ جمیشید نے
ان میں سے کہنی کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ دفتہ وہ جھٹکے سے
اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔
وہ چاروں ایک دوسرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

"آبا جان یہی چاہتے ہیں کہ اس خط کو نہ پڑھا جائے" ۴
 "یہی بات تو ہماری الجھن میں اضافہ کر رہی ہے، اگر وہ منع نہ کرتے تو کبھی بھی ہم اسے پڑھنے کے لئے اتنے بے چین نہ ہوتے" فرزاد بولی۔

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو؟" محمود بولا۔
 "اوہ!" اچاہک فاروق کے منہ سے نکلا۔ وہ کسی خیال کے آنے پر چونکا تھا۔
 "لیا ہوا۔ کیا کوئی بھوت نظر آگیا ہے؟" فرزانہ نے اس کا مذاق اڑایا۔

"کہیں.... کہیں آبا جان نے یہ سب کچھ ہمارے شوق کو اُجھارنے کے لیے تو منہیں کیا؟" فاروق نے کھونئے کھونئے انداز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ خط پڑھتے پڑھتے جان بوجہ کے سنجیدہ ہو گئے ہوں، تاکہ ہمارے شوق اور جسّ کا اندازہ لگا سکیں" ۵
 "ہوں۔ میرا خیال ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ آبا جان تو کبھی اتنے سنجیدہ نہیں ہوتے" محمود نے سر بالایا۔
 "تو پھر۔ اب کیا خیال ہے؟" فرزانہ بولی۔

"ٹھیک ہے، ہم اس خط کو ضرور پڑھیں گے۔ شاید آبا جان ہمارا استھان لینا چاہتے ہیں" فاروق نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

تم انہیں نہ بتا دو۔"
 "نہ بتائیں۔ مجھے ایسی باتوں سے دلچسپی بھی نہیں ہے
 مکرے میں خاموشی چھا کنی۔ تیوں دبے پاؤں چلتے ہونے اپنے
 مکرے میں آگئے۔"

"تو وہ خط پڑھ کر ہم پر جاسوسی کا بھوت سوار ہو جائے گا" فاروق کے منہ سے نکلا۔

۶ - اب تو ہم اس خط کو ضرور پڑھیں گے" فرزانہ نے کہا۔
 "سوچ لو! آبا جان اس بات کے حق میں نہیں ہیں۔ محمود نکر مند
 ہو کر کہا۔

"جب وہ سوچائیں گے تو ہم مکرے میں چلیں گے" فرزانہ نے ترکیب بتانی۔

"ان کی اجازت کے بغیر خط پڑھنا مناسب نہیں" محمود بولا۔
 "انہیں پتا بھی نہیں چلے گا" فاروق نے کہا۔
 "آخر کیسے۔ میرا خیال ہے، انہیں فوراً معلوم ہو جائے گا" محمود نے الجھ کر کہا۔

"محمود ٹھیک ہی کہتا ہے، آبا جان ہماری پوری ضرور پڑھ لیں گے" فرزانہ بولی۔

"تب پھر۔ کیا ہم خط کے راز کو کبھی نہ جان سکیں گے؟" فاروق نے مایوس ہو کر کہا۔

"تمہیں ایسے میں بھی مذاق کی سوچہ رہی ہے۔"

"کرنے کے لئے کوئی کام جو نہیں ہے۔"

"مجھے تو اپنا دماغ ہتا معلوم ہو رہا ہے۔" محمود نے اپنا سر دوڑوں ہاتھوں میں مقام کر کھا۔

"لو بھی فرزانہ....." فاروق نے کہا شروع کیا ہی تھا کہ فرزانہ جھٹ سے بول پڑی۔

"لاڈ بھی فاروق" "تو ہے تم سے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ محمود تو گیا کام سے۔ اس کا تو بلنے لگا دماغ"

"اور تمہاری باقیں میرا دماغ بھی ہلاتے دے رہی ہیں۔" فرزانہ بولی۔ "ذرا گھڑی پر بھی نظر ڈال لو۔ کہیں دس رنج گئے ہوں۔" فاروق نے کہا۔

محمود نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ماری۔ دس بجھنے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

"صرف دو منٹ باقی ہیں۔ تب تو چلنا چاہیے۔ آبا جان گھڑی دیکھ کر تو سوتے نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ابھی ان کی نیند کچی ہو گی۔ چند منٹ اور انتظار کرو۔"

"اُف! یہ چند منٹ!"

آخر سوا دس بجھے تینوں اپنے کمرے سے نکلے۔ پورے مکان میں تاریخی چھانی ہوئی تھی اور گھری خاموشی مسلط تھی۔ وہ دبے

"اس کے لئے ہمیں رات ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

آبا جان دس بجے سے پہلے نہیں سوئیں گے۔"

"تو ہمیں ہی کب نیند آئے گی؟"

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں آ گئے۔ کھانے کے دوران انہوں نے خط کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اپنکے جشید بھی خاموشی سے کھانا کھاتے رہے تھے۔ کمرے میں اگر وہ دس بجھنے کا انتظار کرنے لگا۔

"آج نہ جانے کب دس بجیں گے۔" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"شیک اس وقت بھیں گے، جس وقت کل بجھے تھے۔" فرزانہ نے اس کی بے چینی سے لطف لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ بیٹھ کر سکوں کا کام کریں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔ "اس میں بھی دل نہیں لگے گا۔" محمود بولا۔

"یا اللہ! اس خط نے تو ہمارا سکون ہی لڑک لیا۔" جانے اس میں کیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"معاملہ پر اسرار ضرور ہے۔"

"مجھے تو اس خط سے خطرے کی بو آ رہی ہے۔" فاروق بولا۔ "خط تو آبا جان کے کمرے میں بے ہمیں یہاں بو کیسے آ رہی ہے؟" فرزانہ مسکراتی۔

بائب ۳

چند لمحے تک ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ آخر محمود نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

”ابا جان! ہم سخت مشرمند ہیں۔ ہم افسوس ہے ابا جان!..... ہمیں معاف فرمادیں۔“ فرزاد کے منہ سے نکلا۔

”ہوں! جا فمعاف کیا، تم بھی کیا یاد کرو گے؟ اچانک اسپکٹر جمیش کی سنجیدگی رخصت ہو گئی، وہ دلخشن انداز میں مکرا دیے۔

”بہت بہت شکریہ!“ تینوں نے ایک ساتھ کہا۔ ان کے پھرے خوشی سے کھل ائی۔

”یہ کیا کہنا پھوسی اکورہ ہی ہے؟“ بیگم جمیش کی آواز ستائی دی۔ وہ انہیں مل کر دیکھ رہی تھیں۔ غالباً ابھی انہیں آنکھ کھلی تھی۔

”یہ خط پڑھنے یہاں آئے تھے۔ میں نے ان کی پوری پکڑ لی۔“ اسپکٹر جمیش مسکرا ائے۔

”پوریاں پکڑنے کا ہی تو کام کرتے ہیں دن رات۔“ بولا ان بیچاروں کی کیا دال گھٹتی؟“ بیگم جمیش نے سہن کر کہا۔

پاؤں اپنے والد کے کمرے کے دروازے پر آئے اور کان لگا کر اندر کی آواز سننے کی کوشش کی لیکن اندر بھی مکمل خاموشی طاری تھی۔ شاید ان کے والدین سوچکے تھے۔

اہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں ہمیں انہوں میں اشارے ہوتے اور پھر محمود نے دروازہ لھوڑا سا دھکیلا۔ دروازہ کھلتا چلا گا۔ یہ بات تو انہیں معلوم ہی تھی کہ اسپکٹر جمیش کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے ہمیں سوتے۔

کمرے میں نیروں کا بزر بلب روشن تھا۔ اسپکٹر جمیش اور بیگم بیسہ پے پس بستر پے بے سددہ سورہ ہے تھے۔ تینوں دھڑکتے دلوں سے ساتھ اپنے والد کی پتوں کی طرف بڑھنے لگے۔ جو انکے سرہانے تک رہی تھی۔ آخر محمود تے پتوں کی دائیں جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ جیب خالی تھی۔ اس نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ بھی خالی تھی۔ پھر جیب بھی خالی ملی۔ اب تو ان کی مالیوں کی کوئی حد نہ رہی۔ دفعتہ اس کی نظر تپانی پر پڑی۔ خط وہاں موجود تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے خط اٹھا لیا۔

”بہت خوب۔“ اسپکٹر جمیش کی کڑاک دار آواز سن کر تینوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اہنوں نے گھبرا کر انہی طرف دیکھا۔ وہ بستر پے میٹھے انہیں گھور رہے تھے۔

میں نے پروگرام میں تم تینوں کو بھی شامل کر دیا ہے۔ ہم آج سے
تیرپرے دن فیروز آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ اس ایک
نکر ہے کہ تمہاری تعلیم کا حزن ہو گا۔

”اس طرف سے بے نکر ہو جائیں۔ تین دن بعد سکول میں کھیلیں
شروع ہو رہی ہیں۔ کھیلوں کے دوران پڑھاتی نہیں ہو گی۔“
”اوہ! اب تو بہت ہی لطف رہے گا۔“

”آخر بات کیا ہے۔ کچھ نہیں بھی تو بتائیں۔“

”بھی اب میں کیا بتاؤ۔ تم خود ہی اس خط کو پڑھ لو گے۔“
”تو کیا ہم واقعی اسے پڑھ لیں۔ فاروق نے بے یقینی
کے عالم میں کہا۔

”ہاں ہاں۔ بالکل۔“

محمود نے جوش کے عالم میں خط ایک بار پھر اٹھا لیا۔
اس میں سے کاغذ نکالا اور اسے کھولا۔ ایک مخفسری تحریر
اسے نظر آئی۔ اس کے ساتھ ہی فاروق اور فرزانہ بھی خط پر
چھک پڑے۔ تحریر حد درجے عجیب تھی۔ شاید انہوں نے اپنی
زندگی میں اس سے زیادہ عجیب خط آن تک نہیں پڑھا تھا۔
لکھا تھا:

”میں ایک چور ہوں اور فیروز آباد میں رہتا ہوں۔“

میں نے فیروز آباد میں آج سے ایک سال پہلے ایک

”اچھا آبا جاں! اب ہم چلتے ہیں۔“ محمود نے کہا اور تینوں
جانے کے لئے مڑے۔ اس دوران میں محمود خط دوبارہ پیاسی
پر رکھ پکلا تھا۔

”کیا یہ خط پڑھ جکے ہیں؟“ اسکپر جمیل جمیل نے پڑھا۔
”نہیں۔“ اسکپر جمیل نے بواب دیا۔ پھر ان کی طرف
مڑتے ہونے بولے:

”ٹھہرو! کیا تم اس خط کو نہیں پڑھو گے۔“
”جی نہیں! نہیں آپ کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں
اٹھانا چاہیے۔“ محمود نے مڑتے ہونے کہا۔

”شاباش! تم تینوں بہت سمجھدار ہو۔“ بولے۔
انہوں نے ایک بار پھر کمرے سے جلنے کے لئے قدم
اٹھائے۔ ”ٹھہرو! سنو! میں ایک دو دن تک فیروز آباد جا
رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں، تم تینوں بھی میرے ساتھ چلو۔“

”فیروز آباد! یکن کس یہے؟“ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔
”یہ پروگرام اس خط کے متن کے بعد بنائے۔ اسکپر جمیل
مکارے۔“ کیا مطلب؟ تینوں پوچنے۔

”میرا خیال ہے....“ اسکپر جمیل کچھ کہتے کہتے رک گئے۔
”کیا خیال ہے آپ کا۔“ محمود نے جلدی سے کہا۔
”میرا خیال ہے کہ اب تم اس خط کو پڑھ ہی لو۔ کیونکہ

پوری کی تھی۔ چوری فیروز آباد کے سب سے مالدار آدمی کے گھر کی تھی اور اس کے تقریباً ایک لاکھ روپے کے زیورات چڑا لیے تھے آج تک پولیس لاکھ کو شش کے باوجود نہ مجھے گرفتار کر سکی وہ نے تمہاری بہت تعریف سنی ہے، اسی لئے میں تمہیں فیروز آباد آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ یہاں اُکر چوری کا مال برآمد کر کے اور مجھے گرفتار کر کے دکھا دو۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم قیامت تک زیورات کا اور میرا پتا نہیں چلا سکتے۔ تمہیں فیروز آباد سے ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے واپس چانا ہو گا۔ جس دن تم یہاں سے واپس جا رہے ہو گئے تمہیں میری طرف سے چوری کے زیورات میں سے ایک زیور تمہیں ملے گا کیونکہ یہاں تمہیں دعوت دے کر میں خود بیٹا رہا ہوں۔ وہ زیور تمہارے اخراجات اور تنکایت کا بدل ہو گا۔

اور ہاں! اپنے تمیوں ذہین پکوں کو ساختہ لاتا نہ بھونا۔ میں نے ان کی بہت تعریف سنی ہے۔ میں انہیں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری شہرت کا پول بھول کے رہوں گا۔ اخبارات تمہارا مذاق الائیں گے۔ (فیروز آباد کا چور)

تمیوں نے اس عجیب و غریب خطا کو بار بار پڑھا اور پھر اپنے والد کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر ایک پُر اسرار مکاہرہ کھیل رہی تھی۔

باب

دوسرے دن انپکڑ جمیل نے چھپتی کی درخواست ڈی آئی جی صاحب کے سامنے رکھی تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔
”چھپتی کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“
”جی ایک چور کے ہاں میری دعوت ہے۔“
وہ سکرانے
”کیا مطلب؟ ڈی آئی جی چونکے۔“
”یہ ملاحظہ فرمائیے۔“ انہوں نے جیب سے چور کا خلنکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔
ڈی آئی جی صاحب نے خط پڑھا اور حیران رہ گئے۔
”محال ہے! آج کل مجرموں کی بہت اتنی پڑھ گئی ہے ضرور یہ کوئی زندہ دل چور ہے۔“
”زندہ دل نہیں، شنی خورا۔ اسے گھنٹہ ہے کہ ایک سال گزرنے پر بھی کوئی اسے نہیں پکڑ سکا۔“
”تو تمہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ فیروز آباد والے جانیں؟“

اکرام اندر داخل ہوا۔

"میں نے سنا ہے، آپ رخصت پر جا رہے ہیں ہیں"

"ہاں اکرام؟"

"لیکن کیوں۔ کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"لو پڑھ لو تم بھی؟" اہنوں نے خط اس کی طرف ٹھہرا دیا۔
اکرام نے خط پڑھا اور بے تھاشہ ہنسنے لگا۔

"یہ چور بھی عجب ستم ظریف ہے، اگر پکڑا نہیں کیا تھا تو
اسے تو اسے تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا، نہ کہ آپ کو دعوت
دے بیٹھا۔"

"کچھ ہوتے ہیں ایسے بھی سر پھرے؟"

"تو کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں؟" اکرام نے
پوچھا۔

"نہیں! اگر ضرورت پڑی تو بلوں لوں گا۔"

"جی اچھا! پھر آپ نے کیا سوچا ہے، اُپر آپ اسے کیسے
پکڑیں گے۔ واقعہ ایک سال پہلے کا ہے۔ اس کا سراغ لگانا
آنا آسان نہیں ہو گا۔ دو ایک دن کی بات ہوتی تو سراغ
لگایا بھی جا سکتا تھا۔ موقع واردات پر کچھ نشانات فحودتے
جا سکتے تھے لیکن ان حالات میں نہیں سمجھتا کہ آپ کس
طرح اس میں پہنچیں گے۔"

"لیکن جناب اس نے مجھے لکارا ہے، نہ صرف مجھے بلکہ میرے
پیچوں کو بھی۔"

"چھوڑ دبھی۔ گھٹیا لوگ الیسی حرکتیں کیا ہی کرتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے، آپ نہیں چاہتے تو نہیں جاتا لیکن اتنا سوچ
یجھے کہ اگر اس نے اس قسم کے مضمون کا خط کسی اخبار میں چھپوا
دیا اور نیچے یہ بھی لکھ دیا کہ اس کی دعوت کا کوئی جواب
نہیں دیا گیا ہے تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ کچھ یہے
بھی یہیں جو مجھ سے جلتے ہیں، وہ انگلیاں اٹھائیں گے۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ اُو
میں رخصت منظور کیے لیتا ہوں، کب جا رہے ہو تم؟"

"بھی دو دن بعد؟" کیوں دو دن بعد کیوں؟"

"دو دن بعد بچتے فارغ ہو جائیں گے۔"

ارے تو کیا انہیں بھی لے جانے کا ارادہ ہے؟ ڈی آئی
جی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔ "جی ہاں! چور نے انہیں
بھی بلا یا ہے۔"

ہوں۔ اچھا۔ یہ کہہ کر وہ چھٹی کی درخواست پر لکھنے کے لئے
جھک گئے۔

وہاں سے فارغ ہو کر وہ اپنے دفتر میں آتے اور ایک
بار پھر چور کا خط نکال کر پڑھنے لگے۔ اسی وقت سب اپنے

بھلا ہم فیروز آباد جا کر سب سے پہلے کیا قدم اٹھائیں گے؟
”سب سے پہلے تھانے سے معلومات حاصل کریں گے۔“
 محمود جلدی سے بولا۔

"اھیک! اور اس کے بعد؟"
"اس کے بعد زیورات کے ہاک سے میں گے۔ فرزانہ بولی۔

” بالکل ٹیک! یہ دونوں باتیں تو سامنے کی ہیں اور ہر کوئی
یتنا سکتا ہے، کوئی اور اہم چیز جس سے ہم مدد لے سکیں؟“ انہوں
نے پوچھا۔

”وہ کھڑہ جس میں سے زیورات چراتے گئے اور وہ تجویزی“ فاروق بولا۔

"اور کچھ۔ ایک بہت ہی اہم چیز ہے۔" تینوں سوچ میں ڈوب گے۔
چانک فاروق چونک کر بولا۔

”وہ چیز ہے چور کا خط۔ یہی ایک الی اہم چیز ہے جو
عمار سے پاس موجود ہے۔ ورنہ چور کی شخصیت دھکی چھپی ہے۔“
”بہت خوب فاروق بہت اچھے“ انسپکٹر جمیش نے خوش
و کہ کہا۔

واقعی۔ بھارا تو اس طرف خیال گیا ہی نہیں؟ فرزانے
نیم کپا۔

"ہوں۔ میں بھی نہیں سمجھ سکا۔" محمود بولا۔

”یہ کام مشکل تو ضرور ثابت ہو سکتا ہے لیکن ناممکن نہیں۔
انپکٹر جمیل نے مضبوط لئے میں کہا۔

”کیا آپ نے کوئی طریقہ سوچ لیا ہے؟“
”نہیں، ابھی نہیں، وہیں جا کر حائزہ لوں گا۔“

"پھر بھی۔۔۔ کچھ نہ کچھ تو آپ نے سوچا ہی ہوگا۔۔۔"

” ہاں !.....بہت سی باتیں نیں۔ یہ تو سامنے کی بات ہے
کہ میں فیروز آباد جا کر سب سے پہلے دہان کے ٹھانے سے
سارا ریکارڈ نکلوادیں گا۔ پھر زیورات کے مالک سے ملوں گا اور
پوری تفصیل معلوم کر دیں گا۔“

”جی ہاں! یہ تو ظاہر ہی ہے۔“ اکرام بولا۔

"اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے یہ انپکٹر جمیش نے معنی خیز انداز میں کہا۔

اور وہ کیا؟“ اکرم نے جیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کم خود سوچو، اچھا میں جا رہا ہوں۔" وہ اسے الجھن میں چھوڑ کر ابھر لے ہوتے۔ بھر پنجے تو تینوں بچے اور زینگ جمیش ناشتے کی میز پر ان کے غلطی تھے۔

تم نیشن پارک سے ہو آئے؟
جیسا کہ اسی میں جو منفعت ہے گرے ہے۔

ہاں ہو گئی۔ تم تینوں پہلے ایک بات بتاؤ۔۔۔

باب ۵

دولت آباد کے تھانے کی عمارت نئی تھی۔ تھانے دار کا نام نیم نوری تھا۔ اس نے انگریز جمیلہ، محمود، فاروق اور فرزانہ کو دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں چھپکائیں۔

"ہم دارالحکومت سے آئے ہیں۔" انگریز جمیلہ نے اسے بتایا۔
"اچھا۔ فرمائیے۔"

دولت آباد میں آج سے ایک سال پہلے چوری کی بہت بڑی واردات ہوئی تھی، کیا آپ کو یاد ہے؟"
"یاد کیوں نہ ہو گا صاحب۔ زیورات کے مالک نے تو ہمارا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ وہ بہت با اثر آدمی ہے لیکن ہم بھی مجبوہ رہتے۔ چور نہ جانے زیورات لے کر کہاں غائب ہو گیا تھا۔ خدا جانے اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نکل گیا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی ہم اسے پا سکے نہیں۔ زیورات کو سیط کریم بھانی نے تقریباً چھ ماہ تک خوب اودھم چاپیا، ہماری بھی ان دونوں خوب شامت آئی۔ انسرود

"پور کی تحریر ہمارے پاس موجود ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"
تمیرے دن صبح سوریے وہ ابھی سامان ہی بالمدد رہتے تھے کہ اخبار والا اخبار پھینک گیا۔ انگریز جمیلہ نے اخبار اٹھا یا اور اسے پڑھنے لگے۔ ایک جگہ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھتے۔ پھر بے ساختہ سکرا دیے۔

"و بھی۔" پور نے تو اخبار میں بھی اشتہار دے دیا۔
"کیا ہے۔" ان کے منز سے نکلا اور تینوں اخبار پر جھپٹ پڑتے۔

اخبار میں بھی وہی الفاظ تھے جو خط میں تھے البتہ نیچے اتنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

"میں نے انگریز جمیلہ کو ان الفاظ پر مشتمل ایک خط لکھا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا میں سمجھ لول کہ وہ ڈر کئے؟"



“آخر آپ کون ہیں اور اتنے عرصے بعد آپ کو اس چوری
کا سرانع لگانے کا خیال کیسے آگیا؟”

“یہ خیال مجھے نہیں، چور صاحب کو آیا ہے، انپکٹر جیشید
شریہ انداز میں مسکراتے۔”

“جی! کیا مطلب؟ چور کو خیال آیا ہے؟ نیم نوری نے جیران
ہو کر کہا۔

آپ کہتے ہیں کہ خدا جانے چور کو زمین کھا گئی تھی یا آسان
نکل گیا تھا، حالانکہ چور فیروز آباد میں ہی موجود ہے۔

“نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے متعدد جگہوں پر چھاپے مارے
تھے۔”

“کچھ بھی ہو۔ چور یہیں موجود ہے اور میں اسے پکڑنے کے
لئے آیا ہوں!”

آپ ہیں کون۔ آخر آپ کا نام کیا ہے۔ نیم نوری نے
جیران ہو کر پوچھا۔

“مجھے انپکٹر جیشید کہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا۔
میں؟ نیم نوری اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ انپکٹر جیشید
اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

“آ.....آ.....آپ.....یعنی کہ.....آپ؟” وہ بڑی طرح گھبرا
گیا تھا۔

نے ڈاؤں پر ڈائیس پلاس لیکن آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ
رہے ہیں، اس چوری سے آپ کا کیا متعلق ہے۔ کیا وہ زیورات آپ
نے چراشے تھے؟ اس نے خاموش ہو کر انہیں دیکھا۔

“ہم تو اس چوری کا سرانع لگانے کے لیے یہاں آئے ہیں۔
وہ اس جملے پر مسکراتے تھے۔

“جی! کیا فرمایا آپ نے۔ اس چوری کا سرانع لگانے آئے
ہیں؟ نیم نوری نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا۔

“ہاں دیکھو۔ کیا آپ کے خیال میں یہ نامکن ہے؟
باہکل نامکن ہے۔ ہم ایک سال پہلے جب واردات ہوتی
تھی۔ اس کا سرانع نہ لگا سکے تو اس وقت یعنی ایک سال بعد
بھلا کوئی کیسے سرانع لگا سکتا ہے۔ تھانے دار نے مظہریہ لجے
میں کہا۔ یہ ایک ادھیر عمر آدمی تھا۔ چہرہ ڈاڑھی موچھوں سے
بے نیاز تھا۔

“خیر دیکھا جائے گا۔ تھانے کی عمارت شاید نئی بنی ہے؟
انپکٹر جیشید نے عمارت پر نظر ڈالتے ہوتے کہا۔

“جی ہاں! ایک سال پہلے بنی تھی۔ نیم نوری نے کمرے کے
نئے فرش کو دیکھتے ہوئے فخر سے کہا۔

“اب ہم اس چوری کا ریکارڈ دیکھنا چاہتے ہیں؟” انپکٹر
جمشید بولے۔

کر دکھایا لیکن ان کا نذات سے صرف زیورات کی تفصیل، واردات کی تاریخ اور شبے کے تحت گرفتار کیے جانے والوں کے بارے میں معلوم ہو سکا۔

”اہ سے تو کوئی بات معلوم ہوتی نظر نہیں آتی۔ میرا خیال ہے کہ سیٹھ کریم بھائی سے ہی ملتا پڑے گا۔“
”تو چیزیں میں آپ کو والے چلتا ہوں لیکن اس سے پہلے چائے وغیرہ تو پی لیں۔“

”نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“
”اچھا تو میں ذرا اپنے ایک دو چھوٹے چھوٹے کام کر لوں۔ ابھی چند منٹ کے اندر آتا ہوں۔“ یہ کہ کہ نیم فوری انداز اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”پہلے مرحلے پر تو ہمیں ناکامی ہوتی ہے۔“
” محمود بولا۔“ ”معلوم ہوتا ہے نیم نوری نے کوئی خاس بھاگ دوڑ نہیں کی تھی۔“ فاروق نے کہا۔
”ہو سکتا ہے کہ یہ بالکل اندازی ہو۔“ فرزانہ مسکرانی۔
”ہاں! یہ بھی ملکن ہے۔“ ”محمود بولا۔“

”چور بھی تو معمولی ذہانت کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔“ اپنے اوپر حد سے زیادہ اختداد ہے، اسی لیے تو اس نے مجھے خدا کہنے کی جرأت کی۔ ”انپکڑ جشید تے خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ خط پڑھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر اس نے ریکاڑ نکال

”جی تشریف رکھیے نا۔ آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟“ اہنوں نے با اخلاق لمحے میں کہا۔

”معاف کیجئے گا انپکڑ صاحب، مجھے معلوم نہیں تھا کہ کس سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کے سامنے بہت درشت لمحے میں باتیں کی ہیں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔“
”کوئی بات نہیں۔ میرا نام تو آپ کو معلوم ہو چا گیا۔ یہ تینوں میرے پچے، محمود فاروق....“

”اور فرزانہ ہیں۔ جی میں جانتا ہوں۔“ نیم نوری ان کا جلد پورا ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

”آپ ٹھیک کرتے ہیں۔ اب آپ بھیں اس کیس کا ریکاڑ دکھا دیں۔“

”کیوں نہیں۔ میں تمام تفصیل ابھی آپ کے سامنے رکھتے ہوں۔ اس کے بعد آپ کو سیٹھ کریم کے والے جاؤں گا۔ والے آپ موقع کا معاذن کر جلتے ہیں، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ چوری کا سراغ لگانے کا خیال چور کو آیا ہے۔“

”جی ہاں۔ یہ لاخڑ فرمائیے۔“
انپکڑ جشید تے خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ خط پڑھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر اس نے ریکاڑ نکال

اوہ! نیم نوری کے مت سے نکلا۔ وہ اپنی بھی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔
 آخر وہ سڑک پر تھل آئے۔ نیم نوری نے پاس سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ میں اس وقت ایک ٹوکاری کے پاس پہنچا اور انپکٹر جشید کی طرف ایک لفاف برٹھا کر بولا۔
 کوئی صاحب یہ آپ کو دینے کا کہ گئے ہیں یہ کہ کر ٹوکاری سڑک پار کر کے بھیڑ میں گم ہو گیا۔
 انپکٹر جشید نے حیرت زدہ انداز میں لفافے میں سے کاغذ نکالا۔
 کھا تھا۔

مجھے بتا رے آنے کی بہت خوشی ہوئی جسے انپکٹر جشید، میرا خیال تھا، تم نہیں آؤ گے۔ اب آنے کا زندگی کا صحیح لطف!
 فیروز آباد کا پورہ۔

ہوں! لیکن ابا جان اس کا اپنے اور اس حد تک اعتماد کرنا ہی اسے لے ڈوبے گا۔

”تم تھیک کرتے ہو۔ جنم چاہے کتنا بھی عقل مند کیوں نہ ہو، چلاک کیوں نہ ہو، اس سے کوئی نہ کوئی غلطی ہو، یہ جاتی ہے اور یہ خط بلکھنا اس کی بہت نبردست غلطی ہے۔“ انپکٹر جشید بولے۔
 ”یہ نیم نوری صاحب کماں رہ گئے“ — محمود نے کمرے سے باہر نظر ڈالتے ہونے کا۔ باہر موسم بہار کی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح باتیں کرتے رہے۔ پھر نیم نوری اندر داخل ہو۔

”معافی چاہتا ہوں۔ ذرا مجھے دیر لگ گئی۔“ اسے نے کہا۔
 وہ اس کے ساتھ باہر نکلے۔ یہاں جیپ تیار کھڑی تھی۔ نیم نوری نے اپنیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو انپکٹر جشید بولے:

”میں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم ٹیکسی سے چلیں گے۔“
 ”کیوں! جب جیپ موجود ہے تو ٹیکسی کی کیا ضرورت ہے؟“
 ”جیپ آپ کو سرکاری کاموں کے لئے مل ہے اور اس وقت آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں اور میں سرکاری طور پر اس کیس کی تفتیش نہیں کر رہا ہوں۔ غیر سرکاری کاموں کے لئے سرکاری جیپ استعمال کرنا جائز نہیں۔“

کے زیورات مل گئے ہیں۔ آپ نے چوروں کو پکڑ بیبا۔ تو یہ زیورات
کے چور ہیں ”بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

”اُرے نہیں بڑے میاں! یہ بات نہیں ہے۔ ہر حال تم سیٹھ
صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع دو۔“

”جی اچھا۔“ اس نے کہا اور انہیں اندر آنے کا اشارہ
کیا۔ وہ انہیں ڈرائیور روم میں لے آیا۔ کمر و بڑے سیتھے سے
سجا ہوا تھا۔ اور فرش پر ایک بہت ہی قیمتی، موٹا قابضین پکھا
تھا۔ دیواروں پر بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔

”آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں، میں سیٹھ صاحب کو خبر
کرتا ہوں۔“ ایماندار خان نے کہا۔

”اچھا شکیں ہے۔“
بوڑھا کمرے سے نکل گیا۔ محمود بول اٹھا۔

”اس ملازم کا نام کیس تھوڑا عجیب ہے۔ ایماندار خان۔“
ہاں جو بھی اس کا نام سنتا ہے، نہیں پڑتا ہے، دیے
یہ ہے بھی بہت ایماندار، لیں ذرا نظر کمزور ہے، اس گھر میں
لقریبیاً ڈپٹھ سال سے ملازم ہے۔“

”سیٹھ کریم بھائی کافی دولت مند گتے ہیں۔“ انپکڑ جمیشہ
کرے کے سازو سامان کو دیکھتے ہوئے بوئے۔

”جی ہاں لکھ پتی آدمی ہیں۔“

باب ۶

ایک بہت بڑی کوٹھی کے سامنے وہ ٹیکی سے اترے۔
نیم نوری نے کوٹھی کے دروازے پر لگا ہٹن دیا۔ اندر کہیں گھٹھی
بینے کی آواز آئی۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک ڈاڑھی والے بوڑھے
آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھوں پر نظر کی عنیک لگی تھی،
ناک لمبی تھی، اس نے ٹکیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھا۔ جیسے کہ
عجیب و غریب مخلوق کو دیکھ پایا ہو۔ پھر کتنے لگا۔

”میرا نام ایماندار خان ہے۔ آپ لوگ مجھے مذاچاتے
ہیں؟“
وہ اس کا نام اور اگلا جلد سن کر مسکراتے بغیر رہ نکلے۔
نیم نوری نے جلدی سے کہا۔

”یاں ایماندار خان! تم نے مجھے پچانا میں میں فیروز آباد کا
تحانیدار ہوں اور ہم لوگ سیٹھ کریم بھائی سے ملتے آئے ہیں۔“
”تحانے دار صاحب۔ اور۔ اب یاد آیا۔ ایک سال پہلے
آپ کا ہمارے ہاں کچھ زیادہ ہی آنا چانا تھا۔ تو کیا سیٹھ صاحب

"ہوں! تو کیا آپ نے زیورات اس حوالی میں تلاش کئے تھے؟" انپکٹر جمیل نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"بھی! حوالی میں۔ لیکن زیورات کا حوالی میں کیا کام۔ کیا آپ کا خیال ہے، چور نے سیٹھ صاحب کے زیورات چراکر اپنی کی حوالی میں چھپا دیے ہوں گے؟" نیسم نوری نے گڑ بڑا کر کہا۔
"اس بات کا زبردست امکان ہے، تو آپ نے حوالی میں نہیں دیکھا۔"

"بھی۔ بھی نہیں۔ میرا تو اس طرف خیال تک نہیں گیا۔"
اسی وقت انہیں قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ خاموش ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ چرے میں داخل ہونے والے سیٹھ کریم بھائی ہی تھے۔ ان کا چہرہ ڈاڑھی مونکوں سے بے نیاز تھا۔ ناک بہت لمبی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ انہوں نے انپکٹر جمیل اور ان کے بچوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔
"السلام علیکم سیٹھ صاحب! نیسم نوری کے منہ سے نکلا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"وعلیکم السلام! تھانے دار بھی! یہ آپ کے ساتھ کون ووگ میں؟" سیٹھ کریم بھائی نے کہا۔ اس پر انپکٹر جمیل نے اٹھ کر مصائب کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے جمیل کہتے ہیں اور یہ نینوں میرے نکے ہیں؟"

"معلوم ہوتا ہے، انہوں نے یہ کوٹھی نئی بنوائی ہے" فاروق بولا۔
"بھی ہاں! یہ ابھی چھ ماہ پہلے ہی مکمل ہوئی ہے۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا، جن دنوں چوری ہوئی، یہ عمارت بن رہی تھی؟" محمود نے پوچھا۔
"بھی ہاں۔ اس کوٹھی سے پہلے وہ ایک حوالی میں رہتے تھے۔
تفصیلیًا ایک سال پہلے ہی اس کوٹھی میں منتقل ہوئے ہیں۔ نیسم نوری نے بتایا۔

"کیا انہوں نے وہ حوالی فردخت کر دی؟" انپکٹر جمیل نے چونک کر پوچھا۔
"بھی۔ بھی نہیں تو۔ بھلا انہیں بھینپ کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے پاس دولت کی کیا کمی ہے؟"

"تو وہ بند پڑی رہتی ہو گی۔" "بھی ہاں!"
"زیورات کی چوری اس کوٹھی میں ہوئی تھی یا حوالی میں؟" انپکٹر جمیل نے پوچھا۔ ان کے چرے پر جوش کی حالت طاری ہو گئی تھی اور محمود، فاروق، فرزانہ ان کو اس عالم میں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

"پوری اس کوٹھی میں ہوئی تھی۔ ان دلوں سیٹھ کریم بھائی اس میں اٹھ آئے تھے، لیکن اس وقت کوٹھی مکمل طور پر نہیں بنی تھی، کچھ کام باقی تھا۔" نیسم نوری نے بتایا۔

سامنہ بنائے کہا۔
 ”پھر یے فوری صاحب! میں خود اپنیں بتاتا ہوں“ انپر
 جمیش نے کہا، پھر سیٹھ کریم بھائی کی طرف رنج کر کے یوں سے!
 ”کیا آپ چاہتے یہ کہ آپ کے زیورات مل جائیں اور چور
 کو پکڑ دیا جائے؟“
 ”بھلا میں کیوں نہ چاہوں گا۔ میں تو ان زیورات کو تلاش
 کرنے والے کو ایک پورتھانی حصہ تک دینے کو تیار ہو گیا تھا۔“
 ”مجھے آپ کے پورتھانی حصے سے کوئی دلچسپی نہیں۔“
 ”تو پھر آپ کو کس چیز سے دل چکھا ہے“ سیٹھ کریم بھائی
 نے حیران ہو کر پوچھا۔
 ”چور سے...“ انپکڑ جمیش کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔
 اسی وقت دروازہ کھلا تھا۔ سب نے چونک کر دروازے
 کی طرف دیکھا۔ وہاں سیاہ پکڑوں میں ملبوس ایک شخص سر پر
 ہیٹ اوڑھے اور آنکھوں پر سیاہ عینک لگانے دروازے میں
 تناکھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک پستول بھا جکی نال انکی طرف
 اٹھی ہوتی تھی۔
 وہ دھک سے رہ گئے۔

”تشریف رکھئے“ سیٹھ کریم بھائی نے کہا اور خود بھی صوفے
 پر بیٹھ گئے۔ وہ نیم نوری کو ناخوشگوار نظروں سے دیکھ سے
 تھے۔ شاید اپنیں ایک سال پہلے چوری ہونے والے وہ
 زیورات یاد آگئے تھے، جن کا آج تک سرانع نہیں ملا تھا۔
 ”آپ کو یاد ہے سیٹھ صاحب! ایک سال پہلے آپ کے
 زیورات چوری ہو گئے تھے“ نیم نوری نے کہتا شروع کیا۔
 ”تو..... تو کیا وہ مل گئے؟“ انہوں نے چونک کر کہا۔
 ”جی۔ جی نہیں۔ ابھی ملے تو نہیں.... البتہ....“
 ”تو پھر ان کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ سیٹھ کریم
 بھائی کا منہ لٹک گیا۔
 ”میر جمیش یہاں آپ کے زیورات برآمد کرنے کے لئے
 آئے ہیں“
 ”کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔
 ”جی ہاں! یہ آپ کے زیورات اور چور کو تلاش کرنا چاہتے
 میں۔“
 ”لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے بعد انہیں چور اور زیورات
 کا خیال کیسے آگیا؟“

”یہ خیال ان کو نہیں۔ چور کو آیا ہے۔“
 ”کیا آپ مذاق کے موڑ میں ہیں“ سیٹھ کریم بھائی نے پرما

۔ یہ ہوئی نظاہات، مجھے معلوم تھا کہ آپ انکار نہیں کرے گے۔
اس لئے میں رسید پسے ہی لکھ لایا ہوں، یہ لیجئے: "اس نے جیب
سے ایک کانڈہ نکالتے ہوئے کہا۔ سیٹھ کریم بھائی نے کانڈہ لیا،
اسے سرسری نظر سے دیکھا، اسے میز پر رکھا اور جیب سے چیک
پک نکلتے ہونے میز پر رکھ کر چیک لکھنے لگے۔

ان پکڑ جشید اور تمینوں نچے حیرت زدہ ہو کر یہ سب کچھ دیکھ
رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ معاملہ بالکل نہیں آیا تھا۔ ان کے
ذہنوں میں طرح طرح کے سوال سراہٹا رہے تھے۔
سیٹھ کریم بھائی نے چیک لکھ کر اس کی طرف ٹڑھا دیا اور
بولے۔

"یہ لو اور دفع ہو جاؤ۔"

"ابھی ہو جاتا ہوں، مانتے ہیں نا انکل، آخر آپ کا بھتیجا ہی
ٹھہرا۔ آپ سے پیسے نکلوا ہی یہ نہ۔ اور پھر اس قبیلے میں مجھے
سے بڑا جاسوس کون ہو سکتا ہے؟ اس نے یہودہ اندازیں کہا۔
" جاسوس کے نچے! اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ ورنہ
بری طرح پیش آؤں گا۔"
" وہ تو آپ آتے ہی رہتے ہیں۔ اچھا انکل ضرورت پڑنے
پر پھر آپ کو تکلیف دوں گا۔"
" ٹھہرو! ایک بات سنتے جاؤ، رات کو دس نجے سے پہلے

بات

N

۰ آصف یہ کیا مذاق ہے، دیکھتے نہیں یہاں کچھ مہمان بیٹھے
ہیں؟ سیٹھ کریم بھائی نے دروازے میں کھڑے سیاہ پوش سے
چلا کر کہا، ان کے چہرے پر ناگواری کی ٹکنیں ابھر آئیں۔
۱ اوہ ! مہمان۔ وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، لیکن اس وقت
مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے: اس نے آگے آتے
ہونے کہا۔

۲ بعد میں ہات کرنا، میں اس وقت بست ضروری گفتگو
کر رہا ہوں؟"

۳ جی نہیں، میرا کام پڑے: " اس نے آٹل بھے میں کہا۔
۴ جلدی بکو، کیا بات ہے؟ انہوں نے جھینچلا کر کہا۔
۵ مجھے اس وقت دو بزار روپے کی ضرورت ہے: اس
نے ہپروانی سے کہا۔

۶ رسید نکھے دو۔ میں چیک لکھے دیتا ہوں" سیٹھ کریم
نے برا سا منہ بنانے کر کہا۔

بڑا ہونے پر آصف آوارہ ہو گیا۔ اب ہر وقت جو اکھیتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مجھ سے پیسے مانگتا ہے تو میں اس سے رسید لکھوا لیتا ہوں۔ بتا کر کل اگر اس کا باپ لوٹ آئے تو میں اسے حساب دے سکوں۔"

"آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں؟"

"دن رات سمجھاتا رہا ہوں۔ لیکن سمجھنے کی منزل سے گزر چکا ہے۔ اپنے آپ کو قبیلے کا سب سے بڑا جاسوس کہتا ہے اور اعلانیہ کہتا پھرتا ہے کہ کسی دن جاسوسی کا آنا بڑا کارنامہ سزا ناجام دوں گا کہ ساری دنیا دنگ رہ جائے گی۔"

"آپ کے پاس اپنے بھانی کی کوئی تصویر ہو گی۔"

"جی ہاں، کمی ہوں گی۔ آپ کو دکھاؤں گا۔" سیٹھ کریم بھانی نے کہا۔ "ان کا نام کیا تھا؟"

"عظیم! ہاں تو ہم کی بات کر رہے تھے۔" سیٹھ کریم بھانی نے دوبارہ پسلی بات پر آنسے کے لئے کہا۔

"بات ہو رہی تھی زیورات کے پور کی، مجھے تو صرف پور سے دل چپی ہے۔" انپکٹر جمیش نے بولے۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بات آپ کی سمجھ میں یہ خط دیکھے بغیر نہیں آئے گی۔" انپکٹر جمیش نے کہا اور خط نکال کر ان کو سختا دیا۔ جوں

گھر آ جایا کرو۔ ورنہ دروازہ بند نہ کرے گا۔" سیٹھ کریم بولے۔ "کوئی بات نہیں میں دیوار پھاندنا جانتا ہوں۔" وہ زور سے ہنسا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ "معاف کیجئے گا۔ انپکٹر صاحب، یہ میرا نالائق بھیجا ہے۔ آوارہ ہے۔ جو ارسی ہے۔"

"اس کے ماں باپ کہاں ہیں؟" "اس کی ماں تو پچین میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ البتہ اس کا باپ، یعنی میرا چھوٹا بھانی لاپتا ہے۔" سیٹھ کریم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"لاپتا ہے۔ کیا مطلب؟" "یہ ابھی دس سال کا تھا کہ ایک رات وہ گھر سے غائب ہو گیا۔"

"اوہ! کیا آپ نے اسے تلاش کرانے کی کوشش نہیں کی؟" انپکٹر جمیش نے پوچھا۔

"یہ آج تے دس سال پہلے کی بات ہے میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی، لیکن وہ کہیں نہیں مل سکا۔ اس دن سے میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں کہ نہ جانے کب اس کا باپ آ جائے۔ جاتے وقت وہ اپنی ساری نعمتوں اپنے نہ ملے گی۔ بجوری میں چھوڑ گیا تھا اور چابیاں بجوری میں گئی مل قیص۔ یہیں

فرزانہ میز پر رکھی اس رسید کو گھور رہی تھی جو ابھی ابھی آصف سیمہ کریم بھائی کو دے گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ جوش کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اس نے کوئی خاص بات معلوم کر لی ہو۔ وہ بھی رسید پر جھک گیا۔ فاروق نے اس تبدیلی کو فوراً محسوس کیا اور ان دونوں کے ساتھ اس کی نظریں بھی رسید پر جم گئیں۔ اچانک ان دونوں کے منز سے نکلا۔

"اوہ!"

ساتھ ہی ان کی آنکھیں بھی حیرت کے ہارے پھیتی چل گئیں۔ انپکٹر جشید ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا وہ تینوں آنکھیں پھاڑ کر اس رسید کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس عالم میں دیکھ کر انپکٹر جشید کی حیرت کا شکانا تارہ رہا۔



وہ جوں وہ خط پڑھتے گئے، ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اُن خدا! تو آپ وہ انپکٹر جشید ہیں، ارے مجھے معاف فرمائیں، آپ نے آتے ہی اپنا تعارف کیوں نہیں کرایا۔ سیمہ کریم بھائی نے جوش کی حالت میں پکپاتے ہوتے کہا۔

"تخانیدار صاحب نے آپ کو میرانام تبایا تو تھا"

"لیکن اس وقت انہوں نے تفصیل نہیں تباہی تھی۔ تو یہ تینوں آپ کے نجے محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں؟"

"جی ہاں!"

"میں نے ان کے کارناموں کے ہارے میں اخبارات میں پڑھا ہے۔ آپ سے اور ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اب مجھے ایمید ہے کہ زیورات ضرور مل جائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے سیمہ کریم بھائی نے میز کے پاسے میں گلی کھشتی کا جبن دیا۔

دوسرے ہی لمحے ایماندار خان اندر داخل ہوا۔

"کیا حکم ہے سرکار؟"

"فوراً چائے لے کر آؤ۔"

"ارے ارے۔ اس کی ضرورت نہیں" انپکٹر جشید نے گھرا کر کہا لیکن ایماندار خان جا چکا تھا۔ اسی وقت محمود کی نظر فرزانہ پر پڑی اور وہ حیران رہ گیا۔

نیچے پر نہ پنج سکا تو تحریروں کے کسی ماہر سے مشورہ لیا جائیگا۔
اس کے علاوہ آصف سے بھی سوالات کرنے ہوں۔ کیا وہ اس
وقت گھر میں ہو گا؟

"بھی نہیں۔ وہ گھر میں نہیں ملتا۔ پیسے لیتے ہی کسی جواہانے
میں چلا گیا ہو گا۔ اب رات کو دس بجے سے پسے اسکی واپسی
نہیں ہو گی!"

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم اس کی واپسی کا انتظار کریں گے۔"
انپکڑ جشید بولے۔

"میرا خیال ہے۔ اب وہ واپس نہیں آئیگا۔ خود ہی چاکر
اسے گرفتار کرنا ہو گا۔"

"یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں؟ فرزانہ بولی۔

"اگر پور دھی ہے اور یہ خط اسی نے لکھا ہے تو اس صورت
میں تو وہ ضرور واپس آئے گا۔ ورنہ وہ پور شابت ہو جائیگا۔
جب کہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اسے نہیں پکڑا جا سکتا۔" انپکڑ
جشید بولے۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ کہ کس کا خیال درست نہلتا ہے؟"
نیم نوری نے اکٹا کر کہا۔

"اب ہم کیا کریں۔" محمود نے پوچھا۔

"ہم آصف کے کمرے میں اس کا انتظار کریں گے۔"

باب ۸

"کیا بات ہے۔ تم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس رسید کی طرف
کیوں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے پوچھا۔

"ابا جان.... اس رسید کو غور سے دیکھے۔ کیا یہ تحریر چور
کی تحریر سے ملتی جلتی نہیں ہے؟" فاروق نے کہا۔

"اوہ!" انپکڑ جشید کے منہ سے نکلا۔ پھر انہوں نے جیب
سے خط نکال کر اس رسید کے برابر رکھ دیا اور سب کے
سب ان پر جھک گئے۔ اچانک نیم نوری کے منہ سے نکلا:
"خدا کی قسم.... یہ دونوں تحریریں ملتی جلتی ہیں.... اس کا
مطلوب ہے.... آصف اسی چور ہے۔"

"تحریریں ملتی جلتی ضرور ہیں، میکن ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ
واقعی ایک باختہ کی ملکی ہوئی ہیں؛ انپکڑ جشید بولا۔

"تو پھر۔ اس کا فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سیوطہ کریم بھانی
نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں ان دونوں تحریروں پر آج رات غور کروں گا۔ اگر کسی

سیدھے صاحب.... آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں۔ ”

” بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں آپ لوگوں کے لئے
کمرے ٹھیک کرنے کے لئے ایماندار خان سے کے دیتا ہوں۔
آپ جب چاہیں ان میں جا کر آرام کر سکتے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو
تو ٹھنڈی بجا کر ایماندار خان کو بلا سکتے ہیں۔ ”

” ہمارے لئے صرف ایک ہی کمرہ کافی ہو گا۔“ اسپکٹر جیشید یوں۔

” یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چار آدمی ایک کمرے میں۔ ”

” اودہ ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو دو کمرے ٹھیک
کر دیں۔ ایک میں میں تباہ رہوں گا اور دوسرا میں یہ تمیوں۔ ”

” بہت اچھا۔ ”

” آپ جا کر آرام کر سکتے ہیں۔ ہم آصف سے ملاقات یکے
 بغیر نہیں سوئیں گے۔“ اسپکٹر جیشید یوں۔

” جی اچھا۔“ سیدھے کلکم بھائی نے کہا اور انھوں کر چلے گئے۔

” اور جناب.... نیسم نوری صاحب.... آپ بھی جا سکتے ہیں۔

ہم صحیح آپ کو تمام حالات سے ہابخت رکھیں گے۔ ”

” میں صحیح آصف کو گرفتار کرنے کے لئے آؤں گا.....
مجھے یقین ہو چلا ہے کہ چور وہی ہے۔“ نیسم نوری نے امشتہ
ہوئے کہا۔

” ابھی اتنے یقین سے نہ کیسے۔ ہو سکتا ہے، ہمارے

اندازے غلط ہوں۔ ”

” نہیں جناب۔ دو قلوں تحریریں اس حد تک مل رہی ہیں کہ
اب اس میں مجھے شک نہیں۔ ”

” خیر کوئی بات سہیں۔ دیکھا جائے گا۔ اگر آصف چور ہے
 تو وہ پنج نہیں کے گا۔ ”

” تو پھر میں چلا۔ خدا حافظ۔ نیسم نوری نے کہا۔
” خدا حافظ۔ ان کے منزہ سے نکلا۔ ”

نیسم نوری کے جانے کے بعد وہ بھی انھوں کھڑے ہوئے۔
اسپکٹر جیشید یوں۔

” اب ہم آصف کا انتظار اس کے کمرے میں کریں گے۔
” جی ہاں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ ”

انہوں نے ایماندار خان کو بلا یا اور اس سے کہا کہ انہیں
آصف کے کمرے میں پہنچا دے۔ ایماندار خان نے آصف
کے کمرے میں چھوڑ کر آئے سے پہلے انہیں ان کے کمرے بھی
دکھا دے۔ تاکہ وہ خود جا کر سو سکے۔ انہوں نے ایماندار
خان کا شکریہ ادا کیا اور آصف کے کمرے میں داخل ہوئے۔
اس کمرے میں بے سرو سامانی تھی۔ ہر چیز بے ترتیبی کا شکار تھی۔
صف نظر آتا تھا کہ آصف بہت لاپروا اور آوارہ ہے۔
” کیا خیال ہے... اب آج ان۔ کیا آصف ہی پورے ہے؟ ”

باب ۹

کمرے کا دروازہ کھلا اور آصف اندر داخل ہوا لیکن پھر دھک سے وہ گیا۔ اس کی انہیں ان پر جم کر رہ گئیں۔

”آپ لوگ.... اور یہاں—کیا یہ کمرہ آپ کو دے دیا گیا ہے—میں جانتا ہوں... چھا جان مجھے اچھا نہیں مجھتے۔“
وہ مجھ سے بخت ہیں، اسی نے انہوں نے میرا کمرہ آپ کو دے دیا ہوا کا خیر کوئی بات نہیں۔ میں تو کسی بھی کمرے میں پڑ کر سو سکتا ہوں۔“

”میرا آصف—یہ بات نہیں ہے۔ تشریف لے آئیجے۔“
در اصل ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنا تھیں۔ اس لئے آپ کے آنے سے پسلے ہی یہاں آمیختے تھے۔“ انپر جمشید نے خوش اخلاق انداز میں کہا۔

”مجھ سے باتیں کرنی ہیں.... آپ لوگ آخر کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں—میں آپ کو ڈرائیگ روٹ میں دیکھ چکا ہوں۔“

”ابھی میں کچھ نہیں کہ سکتا۔“

”اگر آصف پور نہیں ہے تو پھر کون ہو سکتا ہے۔“ ظاہر ہے کہ اور کون ہو گا جو آصف کی تحریر کی نقل کر سکتا ہے۔“
محمود نے کہا۔

”اتفاق سے بھی تو دو تحریر اپس میں مل سکتی ہیں۔“

”ہاں—یہ بھی ہو سکتا ہے۔“

”ویسے جس انداز سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ سارا چکر اسی کا چلا یا ہوا ہے۔“
فاروق بو۔“

”اس کے والد کے بارے میں بھی الجھن ہے۔“ آخر وہ کہاں چلا گیا۔ وہ اپنے بیٹے اور گھر بار کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔“ فرزان نے سوچتے ہوئے کہا۔

”بہت خوب—یہ بات واقعی سوچنے والی ہے۔“ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آصف کا والد عظیم گھر سے کیوں غائب ہو گیا تھا تو ہم اس راز کو حل کر سکتے ہیں۔ انپر جمشید خوش بو کہ بولے۔

”میں اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔“ وہ خاموش ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

”شاید آصف آ رہا تھا۔“

"جی ہاں"

"اب اپنی اس رسید کو بھی پڑھ کر دیکھ لیں؟ انپکٹر جمیش نے کہا اور رسید نکال کر اس کی طرف پڑھا دی۔
"اسے پڑھ کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو میرے ہاتھ کی ہی لکھی ہوئی ہے۔ میں آپ کے سامنے ہی تو چاہا جان سے پہلے گیا تھا۔ وہ مجھ پر احسان نہیں کرتے میرے باپ کی دولت میں سے دیتے ہیں۔ آخر اپنے باپ کی دولت کا میں ہی حق دار ہوں۔"

"میرا اشارہ اس طرف نہیں ہے۔ آپ ان دونوں تحریروں کو عنز سے دیکھیں۔ پھر آپ جان جائیں گے کہ دراصل میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟"
آصف نے حیران ہو کر دونوں تحریروں کو دیکھا اور پھر چونک اٹھا۔

"اوہ۔ یہ دونوں تحریروں تو آپس میں ملتی جلتی ہیں؟ اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔ یہی میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ اب آپ بتائیں۔ کیا یہ خط آپ نے ہی مجھے لکھا تھا اور کیا آپ نے ہی ایک سال پہلے پوری نہیں کی تھی۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں اور چور۔"

"ہاں۔ ہم اس گھر میں مہمان ہیں۔ تمہارے چھا جان کی ایک سال پہلے ایک لاکھ روپے کی پوری ہوئی تھی۔ ... ہم اسی کا سرانجام لگانے آتے ہیں۔"

"ایک سال بعد۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں۔ چور کی یہی خواہش ہے۔" یہ کہہ کر اہتوں نے آصف کو مبینی چور کا خط دکھایا۔ اس نے پڑھا اور دمک رہ گیا۔ آخر بولا۔

"میں سمجھ گیا۔ تو آپ انپکٹر جمیش ہیں... اور یہ آپ کے بچے ہیں۔ اوفہ خدا۔ میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہے۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہوئی۔" یہ کہہ کر اس نے گرم جوشی سے ان سے ہاتھ ملا دیا۔ پھر بولا:

"لیکن آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"
آپ بھی آخر اس گھر کے فرد ہیں اور جس گھر میں پوری ہوتی ہے... اس گھر کے ہر فرد سے سوالات کیے جاتے ہیں؟
"بہت خوب۔ تو آپ مجھ سے سوالات کرنے آئے میں لیکن ایک سال پہلے ہونے والی پوری کے بارے میں بجا ہیں کیا بتا سکوں گا؟"
"بہت کچھ۔ آپ نے چور کا خط تو پڑھ ہی لیا ہے!"

• ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ چھوڑ کر کیوں چلے
گئے تھے؟

• جی نہیں۔ میں بھلا کیا بتا سکتا ہوں۔ البتہ پچاچان ضرور
جاننتے ہوں گے مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔“ آصف
نے کہا۔

• اچھا خیر۔ اب ہم چلتے ہیں۔ میں ایک بار پھر کھے دیتا
ہوں کہ فزار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہوا
کہ چور دراصل تم خود ہو۔“

• میں کیسی نہیں جاؤں گا۔ جاؤں بھی کیوں جب کہ میں چور
نہیں ہوں۔“

وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ اس نے ان کے
باہر نکلنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

• اب تم تینوں بھی آرام کرو۔ میں دونوں تحریروں کا اچھی
طرح جائزہ لوں گا اور صحیح ضرور کسی نیتی پر پہنچ جاؤں گا۔“
• جی اچھا۔“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

دوسری صحیح وہ ناشستہ کی میز پر موجود تھے کہ نیم نوری آ
پہنچا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

• کیا رات آصف سے ملاقات ہوئی تھی؟“

• ہاں! وہ دس بنکے آگیا تھا۔“

اس نے تقریباً چلا کر کہا۔

• یہ.... یہ.. ضرور مجھے کسی نے پہنانے کی کوشش کی ہے۔

کسی نے میری تحریر کی نقل آتاری ہے؟“ اس نے گذاہدا کر کہا۔

• ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔۔۔ لیکن شک کی وجہ سے آپ کو

گرفتار ضرور کیا جا سکتا ہے۔ میں دونوں تحریروں کو...“

..... ماہر کے پاس بیٹھ ڈوں گا۔ اگر یہ رپورٹ موصول ہو

گئی کہ دونوں تحریریں ایک ہاتھ کی میں تو پھر آپ کو گرفتار کر لیا

جائے گا، ورنہ آپ بے گناہ ثابت ہو جائیں گے۔ میں آپ کو

خبردار کرتا ہوں کہ آپ قبیلے کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔

اگر آپ نے فزار ہونے کی کوشش کی تو آپ کے ساتھ گوئی

رعایت نہیں برقرار جائے گی۔“ انپر کچھ جیشید تیز لمحے میں کہتے چلے

گئے۔

• بہت.... بہت.... بہتر!“ اس نے ہٹکا کر کہا۔ اس کے

چھرے پر ہوا یاں اڑنے لگی تھیں۔

• آپ کو اپنے والد کے بارے میں کیا معلوم ہے؟“ انہوں

نے پوچھا۔

• میں دس سال کا تھا جب وہ اس گھر سے چلے گئے تھے۔

اس کے بعد سے آج تک میں نے انہیں نہیں دیکھی۔ ان کی

صورت دھنڈلی دھنڈلی سی مجھے یاد ہے۔“

بائب

”یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ آصف چور نہیں ہے۔“ نیم فوری
نے حیران ہو کر کہا۔

”بھی نہیں۔ میرا خیال ہے، وہ چور نہیں ہے۔“
”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، رات اس کے ٹھانڈ کی لکھی ہوئی
رسید چور کے بخط سے بالکل مل گئی تھی۔“
”یہ ٹھیک ہے۔ میں رات کے وقت کافی دیر تک دونوں
تحریروں کو دیکھا رہا ہوں۔ وہ بے شک ایک دوسرے سے
ملتی ہیں۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ چور نے آصف کی تحریر نقل
کرنے کی کوشش کی ہے۔“
”آخر چور کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”وہ اپنی ذہانت کا ڈھنڈ و را پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے
کہ اخبارات میں یہ نخبر شائع کرادے کہ انپکڑ جشید بھی اسے
نہیں پکڑ سکا۔ لیکن اب شاید اس کے برے دن آگئے ہیں۔“
”آجہا جان! میں کچھ کتنا چاہتا ہوں۔“ محمود بول اٹھا۔

”تو پھر... بیکھارنا۔“ کیا میں اسے گرفتار کر لوں؟
”نہیں۔ ابھی نہیں۔“ انپکڑ جشید مکرا ہے۔
”کیوں ابھی کیوں نہیں۔“ میں تو اس کی گرفتاری کا استظام
کر کے آیا ہوں۔ کاشتیل باہر موجود ہیں؟
”اس کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آصف چور نہیں
ہے۔“ انپکڑ جشید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"آپا جان! ہم آپ کے شکر گزاریں یہ محمود بولا۔

"اور اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔ ہم ایک کمرے میں جنگلی اجلاس منعقد کرنے جا رہے ہیں، وہاں ہم ملے کریں گے کہ اب ہم تینوں کو کیا کرتا ہے؟"

"بہت خوب۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن نوری صاحب سے اجازت لے لو اور جہاں بھی جاؤ تباکر جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ چور تم تینوں کو غائب کر دے اور ہم زیورات کو بھول کر تھیں ڈھونڈتے پھریں، کیوں کہ یہ تو تم جانتے ہو کہ چور اس جگہ نہ صرف موجود ہے۔ بلکہ ہم سے واقع بھی ہے اور اسے ہمارے یہاں آنے کا پتا چل چکا ہے۔" انپر جہشید نے ملکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! یہ بات تو اس کے دوسرے خط سے ثابت ہو ہو جاتی ہے۔" محمود بولا۔

"اچھا تو انگل۔ کیا ہم جائیں؟" فاروق شریہ انداز میں نیم نوری کی طرف مٹا۔

وہ اس وقت تک آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر ان تینوں کو اس طرح دیکھتا رہا تھا جیسے کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ چونکہ کر بولا۔" میرا خیال ہے، پتے جیسیں چل کر آصف کو دیکھ لینا چاہیے۔ کہ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر وہ

"کیا بات ہے بیٹا؟"

"آپا جان! اس وقت تک اس کیس میں ہمیں کام کرنے کا قطعاً موقع نہیں ملا۔ ہمارا آپ کے ساتھ آنا بے کار ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے... اس لیے... میں" محمود پچھے کہتے کہتے رک گیا۔

"اس لیے کیا۔ کو، تم رک کیوں گئے؟"

"اس لیے ہم یہ چھپتے ہیں کہ اب اس کیس پر مکمل طور پر ہم کام کریں گے، آپ صرف دیکھیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں؟" فاروق بول پڑا۔

"بالکل ٹھیک۔ میں بھی کھل سے یہی کہنا چاہ رہی تھی۔" فرزاد چکلی۔

"تو پھر کہہ کیوں نہیں دیا۔ منہ میں گھنگھنیاں کیوں ڈالے بھیٹی رہیں؟" فاروق نے جل کر کہا۔

"تمہارے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔" فرزاد نسکرا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ابھی۔ مک تھیں پچھے کرنے کا موقع نہیں ملا۔

..... چلو ٹھیک ہے۔ اس وقت سے اس کیس کے انچارج تم تینوں ہو۔ جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ میں صرف نگرانی کرتا رہوں گا کہ کیمیں تم کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔"

"ویری گد۔ آپ نے جی خوش کر دیا۔" فرزاد چلانی۔

پچھے دیر تک انتظار کرتے رہے۔ جب دروازہ نہ کھلا تو فاروق نے قدرے زور سے دروازہ کھلکھلایا۔ جواب پھر بھی نہ ملا۔ اب تو وہ پریشان ہو گئے اور لگے زور زور سے دروازہ دھڑکاتے۔ اس پر بھی کچھ نہ ہوا تو ایماندار خان بولا۔ اس کمرے کی کھڑکی باہر باغ کی طرف کھلتی ہے کیوں نہ اسے دیکھا یا جائے۔

”شیک ہے۔ اگر وہ بھی بند ہو تو دروازہ توڑا جائیگا۔“
”تو کیا میں کھڑکی کو دیکھوں؟“ ایماندار خان بولا۔
ہاں۔ جلدی جاؤ۔ فاروق تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔“
محمود نے کہا۔

”اچھا۔“

دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے چلے گئے۔

”معاملہ ہر لمحے الجھتا جائز ہے؟“ نیم نوری بڑھ رہا۔ اسی وقت سینٹھ کریم بھائی بھی آنکھیں ملتے ہوئے وہاں آپ پہنچے۔
”یہ کیسا شور تھا۔ کیا بات ہے۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“
”ہم مشر آصف سے کچھ باتیں کرنے آئے تھے، وہ دروازہ ہی سنیں کھول رہا ہے؟“ نیم نوری نے بتایا۔
”دروازہ سنیں کھول رہا ہے۔ کیوں؟“ سینٹھ کریم بھائی نے حیران ہو کر کہا۔

پور نہیں ہے تو ضرور اپنے کمرے میں موجود ہو گا۔“ نیم نوری نے بخوبی پیش کی۔

”تو چلیے۔ پہلے اسے ہی دیکھے لیتے ہیں۔“ محمود نے حاجی بھری۔
”وہ انٹھ کھڑے ہوئے یکن انپکٹر جشید بیٹھے رہے۔“

”کیا آپ سنیں چلیں گے؟“ نیم نوری نے پوچھا۔
”مجھے تو پھول نے مریاث کر دیا ہے۔“ انپکٹر جشید نے ایسے

انداز میں کہا کہ تینوں بے ساختہ ہنس پڑے۔
تینوں نیم نوری کے ساختہ کمرے سے نکلے۔ ایماندار خان برآمدے سے ادھر ہی آ رہا تھا۔

”کیا بات ہے جناب۔ خیرت تو ہے؟“ اس نے ان کو اس طرح نکھلتے دیکھ کر کہا۔

”ہم مشر آصف کے کمرے کی طرف جا رہے ہیں کیا وہ اپنے کمرے میں ہے؟“
”محمود نے اس سے سوال کیا۔“

پتا نہیں۔۔۔ کمرے کا دروازہ تو بند ہے ایماندار خان نے جواب دیا۔

”یہ چھوٹا سا قاتلہ آصف کے کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دشک دی۔
دروازہ اندر سے بند تھا۔ دشک دینے کے بعد وہ

ب

وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں
بھی کہ کمرے کے اندر آصفت نہیں ہو گا وہ جلدی سے اندر
داخل ہو گئے محمود، فاروق اور فرزانہ نے تیزی سے کمرے
کا چائزہ لینا شروع کیا۔ نیسم نوری نے مرا سامنہ نباتے ہوئے
ادھر دیکھا اور بولا۔

۷۔ آخر تھا رے والد کا اندازہ غلط نکلا وہ فزار ہو گیا۔
اکر وہ میری بات مان لیتے اور اسے رات ہی گرفتار کر دیا جاتا۔
تو یہ وقت نہ دیکھتا پڑتا۔ میں تو پہلے ہی کتنا تھا کہ آصف ہی
چور ہے۔ دیکھ لو۔ وہ کھڑکی کے راستے بھاگ گیا۔
۸۔ وہ بھاگا نہیں۔ اسے بیان سے بھگایا گیا ہے۔
محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"جی ہاں۔ یہ دلکھیے لبتر کی چادر آدمی چار پانی پر ہے اور آدمی فرش پر ۱۰۰۰ اس کا مطلب ہے کہ اسے یہاں سے

”بھی پتا نہیں۔“ فرزانہ نے ایسے مخصوص انداز میں کہا کہ
مہود مکار ائے بغیر نہ رہ سکا۔

"آخری کیا ہے رہا ہے جہاں؟ انہوں نے خشکوار لمحے میں کہا۔

بیکی ہم سوچ رہے ہیں کہ پیاس کیا ہو رہا ہے؟ محمود نے کہا۔

نوری صاحب۔ دروازہ روزے کھلنا ہے۔

لوپھر۔ اب کیا ارادہ ہے ۔

ایمان دارخان کھڑکی کی طرف گیا ہے۔ اگر وہ بھی اندر سے
بند ہوف و دروازہ دیا جائے۔

"یہا۔۔ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔۔ جاتے ہیں اس ایک دروازے پر میرے تین ہزار روپے صرف ہوئے ہیں۔۔ میرٹھ کریم بھائی نے آنھیں نکالیں۔۔

اسی وقت دوسری طرف سے چھپتی گرانے کی آواز آئی۔
وہ پونک اسٹھے۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ دروازہ فاروق نے
کھوا تھا۔ اس کے پیچے ایماندار محیرانہ انداز میں پلکیں چھپکا رہا
تھا۔ اور آصف کمرے سے غائب تھا۔

ثابت ہوتی ہے "فرزاد نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ پوری یہیں کیسیں.... اس پاس ہی رہتا ہے.... وہ ہر وقت ہمارے اس پاس منڈلاتا رہتا ہے۔ تاکہ جان سکے کہ ہم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔— وہ نے ضرور رات کے وقت ہیں اصف سے پایس کرتے سن یا ہو گا۔— ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ اس کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو۔— جب اس نے دیکھا کہ آصف شک کی زد میں آرٹا ہے تو رات کو کسی وقت اسے بے بوش کر کے یہاں سے اخراجے گیا تاکہ ہیں یہ یقین ہو جائے کہ پوری دنی ہے اور وہ خود صفات پرچ کرتے "فرزاد نے خیال ظاہر کیا۔

"معلوم تو یہی ہوتا ہے.... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں۔ کیا اب آجان کو چل کر یہ بات تباہیں۔"

"ہاں۔— یہ تو کرنا ہی ہو گا۔"

وہ انپکڑ جمیل کے پاس آئے۔ وہ ابھی تک ناشتے کی میز پر نیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے، اسیں آتے دیکھ کر مسکرانے:

"یہ نیم نوری کماں دوڑ گئے۔"

وہ مشر اصف کو گرفتار کرنے گئے ہیں۔

کیا مطلب۔؟ وہ چونکے۔

"جی ہاں۔— اصف اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے۔"

کچھ بکر نیچے آتا را گیا۔۔۔ اور یہ دیکھے... اس کی چپل بھی یہیں پڑی ہے.... اگر وہ بھاگتا تو کیا نشگے پاؤں بھاگتا۔ فاروق کتا چلا گیا۔

جواب میں نیم نوری نے ایک زور دار تقدیر لگایا اور بولا۔
"بھی تو تم سمجھے سیں۔۔۔ اپنے ہاتھ سے چادر کو فرش تک گرا دینا اور چپل یہیں چھوڑ جانا۔۔۔ یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ پورہ بہت چالاک ہے.... وہ فزار ضرور ہوا ہے لیکن اس نے کمرے میں یہی حالت پیدا کر دی ہے جیسے اسے انخوا کیا گیا ہے۔ غیر۔۔۔ اگر آپ لوگ اسے پوری نیں سمجھتے تو نہ سی۔
یہ تو اس کی تلاش میں جاتا ہوں۔۔۔ اور بہت جلد اسے گرفتار کر کے دکھا دوں گا۔ وہ میرے ہاتھ سے پنچ کر کماں جائیں گا۔"
یہ کہہ کر نیم نوری تقریباً دوڑتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔
وہ کھڑے اس کے قدموں کی مدھم ہوتی آواز سنتے رہے۔
پھر کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ محمود کھڑکی کی طرف گیا اور باہر جائیں گے۔

"کھڑکی بااغ میں کھلتی ہے۔ اس میں سے کوڈ کر بااغ کے ذریعے سے بھاگنا بہت آسان ہے۔۔۔ اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ آصف بھاگا نہیں۔"

"ہاں۔— حالات یہی کہتے ہیں۔۔۔ اور اس سے ایک بات اور

”میری نہیں۔ مہاری۔ یہ تجویز مہاری تھی یہ۔“

”بھی ہاں۔ بھی ہاں۔“

وہ اٹھ کر جانے لگے تو انپکڑ جمیش نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا:

”البتہ... جو چیزوں میرے سامنے آئیں گی، میں انہیں ان سے ضرور باخبر رکھوں گا۔ انہیں یاد ہو گا کہ کل میں نے سیدھ کریم بھائی سے ان کے بھائی عظیم کی تصویر کے بارے میں کہا تھا۔ انہوں نے آج صحیح مجھے ان کی ایک تصویر دی ہے۔ اگر تم انہوں اس تصویر کو دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔ شاید اس طرح مہاری کچھ مدد ہو جائے۔“

”بھی ہاں۔ ہم ضرور اس تصور کو دیکھیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جیپ سے تصویر نکال کر ان کی طرف بڑھا دی۔

تینوں تصویر پر جملہ گئے۔ یہ ایک فوجان اور خوبصورت آدمی کی تصویر تھی... اس کے ہونٹوں پر ایک شریہ مکراہٹ تھی... نقش و نگار سیدھ کریم بھائی سے ملتے جلتے تھے۔ وہ چند سینڈ تک تصویر کو خود سے دیکھتے رہے، پھر خود نے کہا: ”ابا جان! کیا اسے کچھ دیر کے لئے ہم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں؟“

اس کے پنگ کی چادر فرش تک آگئی ہے اور چپ بھی غائب میں۔“ اور اس سے تم نے اندازہ لگایا ہے کہ اسے انگو اکیا گیا ہے۔“ انپکڑ جمیش نے پوچھا۔

”بھی... بھی ہاں۔ کیا ہم نے غلط اندازہ لگایا ہے؟“

”نسیم نوری کا کیا خیال ہے؟“ انہوں نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

”ان کا خیال ہے کہ مسٹر اصف نے ڈرامہ کھلا ہے اور فزار ہو گیا ہے۔“

”ہوں۔ دو فوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“ انہوں نے پوچھا۔

”آپ ہماری سہماں فرمائیں۔ اب ہم کیا کریں۔“

”دیکھو بھئی.... تم نے خود ہی یہ کیس خود حل کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اب مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔“ میں الگ رہ کر چور کا پتا لگانے کی کوشش کروں گا، تم الگ کوشش کرو۔ اور نسیم نوری کو الگ کوشش کرنے دو۔ اس طرح تین پاریاں ہو جائیں گی، کوئی ایک تو چوتھا پہنچ ہی جائے گی۔“

”بہت اچھا۔ اگر آپ کی بھی مریضی ہے تو یونہی سسی۔“ فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اپا جان نے یہ تصویر ہمیں بلا وجہ نہیں دی " محمود بولا۔
"ہوں ۔ جماں تک میرا خیال ہے ۔۔۔ آصف کے والد
کے بارے میں ہمیں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا
ہوں گی ۔ اس کے بغیر یہ کیس حل ہوتا نظر نہیں آتا۔"
فرزانہ نے پر زور لجھے میں کہا۔

" ہالہ ۔ ضرور ۔ میکن اسے حفاظت سے رکھنا ۔۔۔ سیٹھ
کریم بھائی کے پاس اور کوئی تصویر نہیں ہے، نہ ہی اس کا
نیکو ان کے پاس ہے ۔۔۔
بھی اچھا۔"

"اب ہم اپنے کمرے میں جا کر اپنا پر دگرام ترتیب دیں
گے کہ ہمیں لیا کرنا چاہیے اور اس تصویر پر بھی غور کریں گے ۔
میکس ہے ۔۔۔ میری طرف سے اجازت ہے ۔ جو تمہارا
بھی چاہے ۔۔۔ کرو ۔۔۔"

وہ اپنے کمرے میں آئے اور تصویر کو ایک بار پھر غور
سے دیکھنے لگے۔

"لیکا خیال ہے ۔۔۔ یہ تصویر دس سال پہلے کی ہے ۔۔۔
اب اس شخص کی شکل صورت کیسی ہو گی ۔۔۔ محمود بولا۔
تقریباً بوڑھا ہو چکا ہو گا ۔۔۔ بال بھی سینہ ہونے لگے
ہوں گے ۔۔۔ فرزانہ نے کہا۔

" اور اگر اس کے چہرے پر ڈاڑھی بھی ہو گی تو ہمچاہنا اور
بھی مشکل ہو جائے گا ۔۔۔ فاروق نے کہا۔

" سوال یہ ہے کہ اس کیس میں آصف کے والد کا کیا تعلق
ہے ۔۔۔ آخر ہم اس کا تعلق ثابت کرنے کی کوشش کیوں
کر رہے ہیں ۔۔۔ فرزانہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، چور اسے دیں لے گیا ہو۔" فرزانہ نے
خیال ظاہر کیا۔

"اور اگر وہ خود ہی چور ہوا تو؟" فاروق نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں کیا، کیسی بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ آباجان اس
پر اپنے شک کا انعام کر چکے ہیں۔ اور اس پر پابندی لگا چکے
ہیں۔"

"تو پھر چو۔" ہم اسے کم از کم حوصلی میں تو دیکھیں گے
میں۔" فاروق نے انتہے ہوتے کہا۔

"لیکن ہمیں حوصلی کا پتا بھی تو معلوم نہیں،" محمود بولا۔

"ایماندار خاں سے پوچھ لیتے ہیں؟"

"تو میں اسے گھنٹی بجا کر سیہیں بلا لیتا ہوں؟" محمود نے کہا
اور پنگ کے پاسے میں گئے گھنٹی کے بیٹن کو دبا دیا۔
فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایماندار خاں اندر داخل ہو کر

جھکتے ہوتے بولا۔

"ایماندار خاں کے لئے کیا حکم ہے؟"

"سیمھ حاصب کی پرانی حوصلی کمال ہے؟"

"جی۔ پرانی حوصلی۔" اس نے جیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں ہاں۔" وہی حوصلی جس میں وہ اس کو گھنٹی سے پسے
رماتے تھے:

باب ۱۳

"فرزانہ۔" کا خیال تھیک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت
تو ضرورت ہے سرٹ آصف کو ڈھونڈنے کی۔ کیا خیال ہے۔
ہم تمیوں اسے ڈھونڈنے نکلیں؟" محمود نے کہا۔
کیا ضرورت ہے۔ اس کی تلاش میں نیم فوری جا تو
چکے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے، وہ اسے تلاش نہ کر سکیں۔" فرزانہ بولی۔
"اپنے ہو سکتا ہے کہ اپنے پاس رہو۔" فاروق نے جھلا
کر کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں آصف کی تلاش میں نکلنا ہی بوہا۔"
محمود نے نرم آواز میں کہا۔

"لیکن ہم بھی تو تجھے میں نہیں۔" جھلا ہم اسے کہاں تلاش
کریں گے؟"

"سیمھ کریم بھائی کی حوصلی میں۔" فرزانہ نے ایک دم کہا۔
کیا مطلب؟" محمود اور فاروق ایک ساتھ بولے۔

دے دے۔
ایماندار خال چابنی لینے کے لئے گیا، لیکن جلد ہی بوکھلایا ہوا
والپس آگیا۔ سیٹھ صاحب نے اسے حیران ہو کر دیکھا:
”کیوں۔ کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔“
”جی۔۔۔ ہوٹل کی چابنی میز کو دراز میں نہیں ہے۔۔۔
اس نے گھبرا کر کہا۔

”کیا کہا۔۔۔ چابنی نہیں ہے۔۔۔ تو اس میں گھبرا نے کی کیا بات
ہے۔۔۔ ہوٹل میں رکھا ہی کیا ہے۔۔۔ خالی تو پڑی ہے میں انہیں
اس تالے کی دوسری چابنی دے دیتا ہوں۔۔۔ جو میرے پاس
ہے۔۔۔“

یہ کہہ کر سیٹھ کریم نے اپنی بگوری کھسوئی اور پابند نکالنے
لگے۔ اسی وقت فاروق کو کچھ خیال آیا۔

”انکل! کیا یہ وہی بگوری ہے جس میں سے زیورات چڑائے
گئے تھے؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں میاں! بھلا میں اس بگوری کو اپنے چاپ کیے رکھ
سکتا ہوں۔ میں نے تو دوسرے دن ہی بگوری منگا لی تھی۔“
”تو کیا وہ کھلی لی تھی ہے؟“

”ہاں! اس کے دونوں پت کھلے ہوئے تھے۔۔۔ یہ کہتے ہوئے
انہوں نے چابنی ان کی طرف بڑھا دی۔ چابنی کے کہ وہ سیٹھ

فاصٹے پر ہے۔۔۔ کوئی سے نکل کر اگر بائیں طرف جائیں تو
قصہ کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور جگل کا سعد شروع ہو جاتا
ہے۔۔۔ اسی جگل کے کنارے وہ ہوئی ہے۔۔۔“
”بہت خوب! پھر تو ہم آسانی سے دہان پہنچ جائیں گے۔“
فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”تو کیا متارا خیال تھا وہاں جانے کے لئے ہوانی جہاز کرائے
پر لینا پڑے گا۔۔۔ فرزانہ نے مذاق اٹوانے والے انداز میں کہا
اور فاروق کا منہ بن گیا۔

”لیکن آپ وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں؟“ ایماندار خان نے
حیران ہو کر پوچھا۔

”میں یونہی۔۔۔ ہوٹل کو دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔“

”لیکن ہوئی میں تو سالا لگا ہوا ہے۔۔۔“ ایماندار خال بولا۔

”تو کیا ہوا۔۔۔ ہم سیٹھ صاحب سے اس کی چابنی لے یتی ہیں۔“

”چابنی تو خیر مجھے معلوم ہے کہ کہاں رکھی رہتی سے آپ پہلے
سیٹھ صاحب سے اجازت لے لیں؟“

”اچھا! محمود نے کہ اور تینوں سیٹھ کریم بھانی کے کمرے میں
آئے۔ ان سے ہوئی دیکھنے کا خیال ظاہر کیا۔ انہوں نے بڑی خوشی
سے اجازت دے دی اور ایماندار خال سے کہا کہ اسیں چابنی

میں کہا۔

” یہ تم جلی بھتی کیوں جا رہی ہو۔ ”

” جناب کی باتوں سے۔ ”

” میری باتیں گیس کا چوہا میں کیا یہ فاروق مسکرا ایا۔ ”

اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ حوبی کے سامنے پہنچ گئے۔ آسمانی رنگ کی یہ حوبی بہت پرانی تھی۔ آس پاس کوئی بھی دکھانی نہ دیا۔ دور دور تک جھلک کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ دروازے پر تالا لگا تھا۔ محمود نے دھڑکتے دل سے تالا کھولا اور تینوں اندر داخل ہو گئے۔ فرش پر گرد کی موٹی تہ جم گئی تھی۔ وہ اس گرد پر چیر رکھتے اندر ونی حصے پہنچ گئے ایک کمرے کا دروازہ انہیں کھلا ملا۔

دوسرے ہی لمبے وہ دھک سے رہ گئے۔

کمرے کے پیچوں پیچھے آصف رسیوں سے جگڑا پڑا تھا۔

س کے منہ پر بھی ایک روپاں بندھا تھا۔

۱۰

کرم بھائی کے کمرے سے نکل آئے۔

” لیا ہمیں اپا جان سے مشورہ کر بینا چاہیے۔ ”

” ان سے مشورہ رات کو کریں گے جب ہم پورے دن کی رپورٹ دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہمیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ ”

” اچھا چلو۔ ”

تینوں کو بھٹی سے نکل کر سڑک پر چلنے لگے۔ قصبه بہت بارونی تھا۔ ہر طرف لوگ آ جا رہے تھے۔ البتہ گارڈیوں کی تعداد کم تھی۔ ہر طرف موسم بہار کی دھوپ پسیں ہوتی تھیں۔ اگر مسٹر آصف ہمیں حوبی میں نہ لے اور نیم نوری صاحب بھی اسے تلاش نہ کرے تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ وہ چور ہے۔ ” فرزانہ بولی۔

” ہاں! اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ”

” اور اگر وہ ہمیں حوبی میں مل گیا تو۔ ” فاروق نے سوال کیا۔

” اس کا بھی ابھی کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ” فرزانہ بولی۔

” ایک اسی پر کیا مخصر ہے، تم میرے کسی سوال کا بھی جواب نہیں دے سکتیں۔ ” فاروق شریہ انداز میں مسکرا ایا۔

” جی ہاں! آپ نہ سمجھ سکتے لاجواب۔ ” فرزانہ نے جلد کٹے انداز

پنچا کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی چیز ماری۔ میں بے ہوش ہو کر گزپڑا۔ مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔ ہوش آیا تو میں بندھا پڑا تھا اور اب آپ نے آکر کھولا ہے۔ میں نہیں جانتا، مجھ پر کس نے حلقہ کیا تھا اور یہاں باندھنے والا کون ہے، اس نے مجھے کیوں باندھا تھا۔ یہ سب سوال مجھے پریشان کر رہے ہیں۔“
وہ کہتا چلا گیا

”آپ فکر رہ کریں، بہت جلد آپ کو ان سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔ کیا یہ رومال آپ کا ہے یا آپ کو باندھنے والے نے اپنا رومال استعمال کیا ہے؟“

”نہیں۔ یہ میرا رومال نہیں ہے۔“

”بہت خوب۔ تو یہ رومال ہمارے پاس رہے گا۔
اور اب چلے۔ کوئی میں چلتے ہیں۔“

وہ جوئی سے باہر نکل آئے اور کوئی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں سب سوچ میں گم تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ آصف کے بیان پر غور کر رہے تھے۔۔۔ اس کا بیان غلط بھی تو ہو سکتا تھا۔۔۔ لیکن پھر۔۔۔ اسے باندھا کس نے۔۔۔ آخر وہ خود تو اپنے آپ کو نہیں باندھ گئا تھا۔ اچانک فاروق نے سوال کیا:

”آصف صاحب، کیا آپ میر کے لئے چل پہن کر نکلے تھے؟“

باب ۱۳

انہوں نے دوڑ کر آصف کے منہ پر بندھا ہوا رومال کھول دالا اور پھر دوسرا رسیاں کھوتے گئے۔ آصف ہوش میں ہی تھا، لیکن جب تک اس کی تمام رسیاں کھلنے گئیں، زبان سے کپٹ نہ بولا۔ شکرے خدا کا کہ آپ وگ آگئے۔ درمذ میں تو یہاں بہ کامیابی تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔“
”آخر یہ ہوا کیسے؟“ محمود نے پوچھا۔

”رات کے وقت آپ وگ تو مجھ سے مل کر چلے گئے، لیکن میری نیند اڑ گئی۔۔۔ میں جیران تھا کہ دونوں حجریں ایک دوسرے سے اس قدر کس طرح مل سکتی ہیں جب کہ خط میں نہ نہیں لکھا۔ پریشانی بھی بھی کہ کہیں مجھے گرفتار نہ کر لیا جائے۔ آخر جب بالکل نیند نہ آئی تو میں نے باہر نکل کر ٹہنے کا پروگرام بنایا۔۔۔ لہجت میں دروازے کی طرف سے نہیں گیا، تاکہ آپ وگ شک میں نہ پڑ جائیں۔ اس لیے میں کھڑکی کے راستے باہر نکل کر ٹھہرتا ہوا اس طرف نکل آیا، جوئی میں اس جوئی کے ساتھ

۱۔ اکہ آپ نے نیم نوری صاحب کو بالکل بھی بیان دیا۔ جو
ہمیں بتایا ہے تو فوراً آپ کو گرفتار کر لیں گے۔
۲۔ کیا مطلب؟ ” محمود نے کہا۔
۳۔ خوب تو اب مطلب بھی ہم بتائیں۔ ” فاروق سکرا ایا۔
۴۔ آخر بات کیا ہے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
۵۔ کیا آپ کا سراب تک دکھ رہا ہے۔
۶۔ ہاں! ابھی تک درد ہے۔
۷۔ اچھا تو اپنے سر کے پچھے حصے پر باقاعدے جائیے۔

آصف نے بے اختیار انداز میں سر پر باقاعدہ پھرا اور
دھک سے رہ گیا۔ سر پر چوت کا نام و نشان تک نہیں تھا اور
نہ کوئی گورڈ سا ابھرا ہوا تھا۔

اس کا منہ مارے جیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے کہا۔
” یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے سر پر کوئی چیز اتنے زور سے
ماری گئی تھی کہ میں بے بوش ہو گیا تھا میکن سر پر کوئی چوت نہیں
گئی۔ یہ کتنا عجیب بات ہے۔“
” واقعی بہت عجیب بات ہے۔ اسی یہے تو ہم کہہ سے میں
کہ جب آپ نوری صاحب کریہ بیان دیں گے تو وہ فوراً آپ
کو گرفتار کر لیں گے، یکونکہ وہی اندازہ لگائیں گے کہ آپ بالکل
جبوٹ بول رہے ہیں۔ اگر آپ کا بیان درست ہے تو پھر سر پر کم از

ہاں۔۔۔ اب میری چپل نہ جانے کہاں ہے۔ ” آصف نے
نگے پیروں کی طرف دیکھتے ہونے کہا۔
” وہ آپ کے کمرے میں موجود رہے۔ ” فرزانہ سکرانی۔
” کیا؟ ” آصف دھک سے رہ گیا۔
” جی ہاں۔ اب خدا جانے آپ کا بیان درست ہے یا
خلط۔ اگر خلط ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے
آپ کو بندھوایا کس سے۔ ” محمود نے کہا۔
” اور پھر مجھے اس سے فائدہ کیا ہوا۔ ” آصف نے جلدی
سے کہا۔
” فائدہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ
بے گناہ ہیں۔“
” ہوں۔ اچھا۔۔۔ یہ۔۔۔ دیکھ لیجئے۔ کیا سر کے پچھے
حصے پر چوت کا نشان نہیں ہے۔ ” آصف نے اپنیں خیال دلایا
اور وہ پونک اٹھے۔ واقعی وہ یہ بات تو بھول ہی گئے تھے۔
تینوں کی نظریں اس کے سر کے پچھے حصے پر گیئیں۔ اور انہے
منہ مارے جیرت کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔
” مثراً آصف۔۔۔ کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ کوئی چیز
سر پر ماری گئی تھی۔
” یکوں نہیں۔۔۔ میں اس وقت اپنے پورے بوش میں تھا۔“

بھی تھا۔

کیا بات ہے انپکٹر صاحب.... خیر تو ہے، بہت تیز لجھے
میں باتیں کر رہے ہیں ”

چوری کا سرانع مل گیا ہے۔ چور آپ کے سامنے کھڑا ہے۔
آپ کا سمجھیا۔

کیا اے۔ آصف۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ سمجھ کر کیم
بھائی نے حیرت روڈہ ہو کر کہا۔

” یہ مجھ سے نہیں۔ ”
یہ کہہ کر نیم نوری نے ساری بات انہیں بتا دی اور تھکری
لے کر اس کی طرف بڑھا۔

” نہیں.... نہیں... میں چور نہیں ہوں۔ زیورات میں، نے
نہیں چڑائے تھے۔ ” آصف نے گھبرا کر کہا۔ انپکٹر جمیش، محمود فاروق
اور فرزانہ یہ سب خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ آخر انپکٹر جمیش
بولے:

” نیم نوری صاحب۔ میرا خیال ہے، ابھی مشر آصف کو
گرفتار نہ کریں ۔ ”

” جی۔ کیا مطلب۔ گرفتار نہ کروں تو کیا کروں۔ ”
” یہ ضروری نہیں کہ ان کا بیان غلط ہی ہو۔ ” میں نوں نے
سمجھیدہ لجھے میں کہا۔

” کم ابھار ضرور ہونا چلیے۔ ”

آپ تھیک کہہ رہے ہیں۔ اف خدا۔ اب میرا کیا بنے گا۔
آخر میں اور کیا بیان دے سکتا ہوں جب کہ بالکل پچھے بات یہی
ہے۔ ”

” یہ آپ کا کام ہے۔ سوچ لیں۔ ہم نے تو اشارہ کیا
ہے۔ ”

اور پھر وہی ہوا جس کا اندازہ محمود، فاروق اور فرزانہ فوراً
ہی لگا چکے تھے۔ وہ کوئی پہنچنے تو وہاں نیم نوری انپکٹر جمیش کے
پاس موجود تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ پھر اس کی
آنھیں حیرت کی وجہ سے چھیل گئیں۔ وہ چلا رہا تھا،

” خدا کی پناہ۔ ” میں نے تھیں کہاں کہاں ڈھونڈا۔ کہاں
بھاگ گئے تھے تم۔ آپ تینوں نے اسے کہاں پایا۔ ”

” مشر آصف خود سب۔ کچھ بتائیں گے۔ ” محمود نے کہا۔
آصف نے وہی بیان دہرا دیا۔ ” نیم نوری نے فوراً اٹھ
کر اس کے سر کا جائزہ لیا اور چلا کر بولا، ”

” تم جھوٹے ہو۔ تمہارے سر پر چوت کا کوئی نشان نہیں
ہے۔ میں تھیں ایک سال پلے ہونے والی چوری کے ایざام
میں گرفتار کرتا ہوں۔ ”

اسی وقت سمجھ کر کیم بھائی وہاں آگئے۔ ان کے پچھے ایماند خان

باب

وہ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ چور سات پر دوں
چھپا بوا تھا، اگرچہ ان کے آس پاس ہی کہیں موجود تھا۔ آسف
انپکڑ جشید نے ایک بار پھر گرفتاری سے بچا یا تھا اور وہ اب
سرہی میں موجود تھا لیکن اس کا ساری شونکی دور ہو چکی تھی۔
”وہ مارا۔“ میں سمجھ گیا۔ فاروق نے ٹھکی بجا تے اور
چھٹتے ہوئے کہا۔

”کیا مارا۔“ اور تم کیا سمجھ گئے؟ محمود نے بڑا سامنہ بنایا۔
”میرے کچھ مارنے اور سمجھنے سے تمہارا منہ کیوں بن جاتا ہے؟“
روق نے شریے انداز میں کہا۔

”اس نے کہ بات کچھ نہیں ہوتی اور اچھل اس طرح پڑتے ہو
یہ سوکھی تیر مارا ہو۔ حالانکہ بات وہی نکلتی ہے... کھودا چو۔“
وہ پہاڑ۔“ محمود نے مت کو اور بھی بنایا۔

”کیا کہا... کھودا چو ہا... لوفرزناہ یہ اب پھر بے کھو دنے
گئے۔“ فاروقی ہسا۔

”اگر ان کا بیان درست ہے تو پھر ان کے سر پر کسی چوت
کے آثار کیوں نہیں، کم از کم جگہ ابھری ہوئی تو ضرور ہونی چاہیے
تھی۔“

”چوت مارنے کا ایک طریقہ ایسا بھی ہے کہ نہ چوت رکا
نشان پڑتا ہے اور نہ گومڑ۔“

”وہ کون سا طریقہ ہے۔“ جناب ذرا مجھے بھی تو بتا دیں۔“
نیم نوری نے طنزیہ لمحے میں کہا۔

”کسی سینے میں اگر ریت بھر کر تھیلا سر پر مارا جائے تو
اس طرح زخم بھی نہیں آتا اور گومڑ بھی نہیں ابھرتا۔“ انپکڑ
جشید یہ کہتے وقت مکرائے۔

”اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔ وہ دنگ رہ گئے۔ انہیں یہ بات
معلوم نہیں تھی۔“

وہ کون ہے۔ ”
 ”میرا ایک اندازہ ہے.... اور اس اندازے پر میں آج اپنے پروگرام پر عمل کرنے کے بعد یقین کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔
 ”تمہارا اندازہ کیا ہے۔ — ذرا سب بھی تو نہیں۔ ”
 ”میں نے کہا تو ہے کہ کھانے کی میز پر سک لینا۔ ”
 ”وہاں تو تم اعلان کرو گے۔ یہ تو نہیں بتاؤ گے کہ تم چور کے بھتے ہو۔ ”
 ”ہاں نیز شیک ہے۔ ”
 ”تو پھر بتاؤ۔ چور کے سمجھ رہے ہو۔ ”
 ”نیم نوری کو۔ ” فاروق نے ڈرامافی انداز میں کہا
 ”جی کہا۔ نیم نوری کو۔ ”
 ”ہاں۔ وہی ایک ایسا شخص ہو سکتا ہے جو چور ہے۔ ... اس نے ایک سال پسے چوری کی تھی.... وہ خود ہی تحقیق کرنے والا تھا، پھر وہ بھلا گرفتار کیے ہوتا۔ ”
 ”یہ تو کوئی ثبوت نہ ہوا۔ ” محمود نے پھر منہ بنا�ا۔
 ”ہم جس وقت تھانے لگتے تھے اور نیم نوری ہمارے ساتھ چلنے پر تیار ہو گیا تھا تو وہ کسی کام کا بہانہ کر کے کہیں گیا تھا۔ وہ اس وقت ضرور ہمیں وہ خط لکھنے گیا تھا۔ پھر اس نے کسی لڑکے کے ذریعے خط سچ دیا۔ اور ہمارے پاس آگیا۔

”ایسے کہ پھر تو ان سے کھدے گا نہیں۔ ”
 ”میدھی طرح بتاؤ۔ ... کیا سمجھ گئے ہو تم یہ محمود نے تیز ہو کر کہا۔
 ”یہ کہ میں نے جان لیا ہے، چور کون ہے؟ ”
 ”کیا کہا۔ تم نے جان لیا ہے۔ ”
 ”ہاں! اور میں آج شام کھانے کی میز پر ایک اعلان کر دوں گا۔ ” اس اعلان کے بعد ہم اپنے کمرے میں آجائیں گے۔ یہاں آکر کچھ مشورہ کریں گے اور صبح تک انشاء اللہ چور کو پکڑا یا جائے گا۔ ” فاروق نے بتایا۔
 ”بھی واہ۔ لتن آسائی کام ہے.... ہم تو یونہی اپنا دماغ کپا رہے ہیں۔ ہمیں تو پہر دعے سے ہی فاروق کے ذمے یہ کام لگا دینا چاہیے تھا۔ میں یہ ٹھکی بجا تے ہی چڑ کو پکڑ دیتے۔ ” فرزانہ نے اس کا مذاق اڑایا۔
 ”منو۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ آج رات کھانے کی میز پر میں ایک اعلان کر دوں۔ گا۔ ”
 ”آخر وہ اعلان کیا ہو گا؟ ” محمود نے سمجھ نہ کہا۔
 ”کھانے کی میز پر سک لینا۔ ”
 ”تمہارے ذمہ میں کیا ہے۔ ” فرزانہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔
 ”ذہن! ” فاروق تڑپ سے بولا۔
 ”تو میں ابھی ابھی کہا ہے کہ چور کو پہچان گئے ہو۔ ” تو بتاؤ... ”

دوسرے یہ کہتے کی عمارت ان دنوں بن رہی تھی۔ فرش کھا
ہوا تھا.... ضرور نیم نوری تے وہ زیورات فرش کے نیچے دفن
کر دیے۔ دوسرے دن فرش پر پلٹر کر دیا گیا ہوا، اس
یئے آج تک زیورات کا کوئی سرانع نہیں مل سکا۔ یہ شفیع
ہے جو ہر وقت ہمارے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے اور اسے
کوئی ٹوکتے والا بھی نہیں.... اسی نے آصف کو حولی کے قریب
سر پر ریت کا تیلا مار کر بے ہوش کیا اور حولی کے اندر بافرہ کر
ڈال دیا تاکہ اس پر شک اور مضبوط ہو جائے۔
میکن اس کے پاس حولی کی چابی کھا سے آگئی۔ فرزانہ نے
اعراض کیا۔

کیا تم بھول گئیں کہ ایماندار خان نے بتایا تھا، جو چابی میز
کی دراز میں رکھی تھی.... وہ غائب ہے۔
اوہ! ان کی آشیکس کھل کی کھلی رہ گئیں
تو تو کیا واقعی نیم نوری پور ہے۔ ٹمود کے مزے ملکا۔
ایجھی کچھ نہیں کہا سکتا۔ تاہم نیم نوری پر شک ضرور کیا جا
سکتا۔ فرزانہ بولی۔

ٹھیک ہے... اور میں اس شک کو یقین میں بدلنے کے لئے
ہی آج میز پر ایک اعلان کروں گا۔

اب تو بتا دو کہ وہ اعلان کیا ہو گا۔

وہ میں کھانے کی میز پر تباذل گا۔ فاروق شریہ انداز میں
مکرا یا اور دو تو جلا اٹھے۔

یعنی اسی وقت ایماندار خان نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے۔
تینوں اٹھے کھڑے ہوئے۔ میز پر کھانا چن دیا گیا، یہاں
نیم نوری بھی موجود تھے۔ ان کے جاتے ہی کھانا شروع کر دیا گی۔
آخر وہ فارغ ہوئے اور فاروق نے کہا۔

اہا جان! ہم چور کے متعلق ایک اندازہ لگانے میں کامیاب
ہو گئے ہیں اور انشا اللہ جسح ناشتے کی میز پر ہم بتائیں گے کہ
وہ اندازہ کیا ہے۔

بہت خوب۔ میکن تم ابھی کیوں نہیں بتا دیتے۔

جی..... وہ اس نے کہ آج ہم اپنے کمرے میں کچھ اور
غور کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اندازے کو یقین میں بدلا جا سکے۔

بہت اچھا۔ جیسے تمہاری مرضی۔ انکپڑ جیش بدلے

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔ سیدھے کریم بھائی بوئے۔

انکپڑ صاحب.... کیا آپ نے اب تک کوئی اندازہ نہیں لگایا؟

لگایا تو ہے۔ مگر میں پہلے ان کا اندازہ جانتا چاہتا ہوں۔

پھر اپنا خیال پیش کر دوں گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں اور میں

ایک ہی نیچے پر پہنچے ہوں۔

ہماری ایک شرط بھی ہے۔ فاروق بول اٹھا۔

• مجھے کوئی اعتراض نہیں ”
 • بس تو پھر... اب ہم اپنے کمرے میں جائیں گے
 اور آپس میں مشورہ کریں گے ”
 ”ٹھیک ہے۔ ہم بھی اپنے کمرے میں جا کر آرام
 کرتے ہیں۔ ایمان دار خان... تم مشر نیم نوری کے لئے تینوں
 پھوٹوں کے ساتھ والا کمرہ کھول دو۔ ”
 ”جی اچھا۔ ” ایمان دار خان نے کہا۔
 اور وہ اٹھ کھڑے ہونے۔

●

”ہاں... ہاں ضرور بتائیں۔ میں ہر وہ کام کروں گا جو آپ کیں
 گے۔ مجھے تو بس اپنے زیورات چاہیں یہ۔
 ”آپ کے زیور آپ کو مل جائیں گے۔ فکر نہ کریں۔ ”
 ”اگر مجھے میرے زیورات مل گئے تو میں ان میں سے پہپیں ہزار
 روپے آپ لوگوں کو دینے کو تیار ہوں یہ۔ ”
 ”جی نہیں۔ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ ہم تو صرف پور کو گرفتار
 کرنے کی نیت سے آئے ہیں اور وہ ہم اشاد اللہ کریں گے۔ ”
 ”اچھا یہ تو بعد میں ہوتا رہے گا۔ یہ تو بتائیں۔ شرعاً کیا ہے؟ ”
 ”شرعاً ہے کہ نیم نوری کو آج رات یہیں رکھا جائے۔ ”
 ”جی۔ ہلا وہ کیوں؟ ” نیم نوری نے چونک کر کہا۔
 ”اس لئے کہ اگر پور فرار ہونے کی کوشش کرے تو آپ
 اس کی کوشش کو ناکام بنادیں یہ۔ ”
 ”اس کا مطلب ہے.... مجھے تمام رات جاگنا ہو گا۔ ”
 ”نیم نوری کے لئے میں ناگواری نہیں۔ ”
 ”جی نہیں۔ آپ بڑے مزے سے آرام کریں۔ اگر پور کے
 بھاگنے کا امکان ہوا تو ہم آپ کو خبردار کر دیں گے۔ ”
 ”بہت خوب! اس صورت میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ”
 میکن سیٹھ صاحب کی اجازت ضروری ہے۔ — آخری ان کا
 دکھر ہے۔ ” نیم نوری بولا۔

فاروق نے کما اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ کرسیوں پر
بیٹھ گئے۔

”ہاں! اب کھو۔“

”سنو۔ اس وقت تک جتنے بھی حالات پیش آئے ہیں،

ان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ چور چھپ کر ہماری باتیں ضرور
ستا ہے۔ چنانچہ میں نے میر پر جو اعلان کیا ہے، اسے سن کر
وہ آج ہر حال میں ہماری لفڑیوں نے کا۔ اور جب ہم یہ اندازہ
لگا یہیں گے کہ وہ دروازے پر موجود ہے تو میں ایک دم، چلا
کر کھوں گا۔۔۔ چور دروازے پر موجود ہے۔ ان الفاظ کے
ساختہ ہی میں دوڑ کر دروازہ کھول دوں گا۔۔۔“

”تو کیا چور تمہارے لیے باہر ہی پھرا رہے گا۔ فرزانہ نے
براس منہ بنایا۔

”نہیں۔ ہم تینی ہیں۔ تینوں تیزی سے باہر نکلیں گے اور ہر
ایک کے سکرے میں جھانک کر دیکھیں گے۔۔۔“

”اس سے کیا ہو گا؟“

”چور کے سوا باقی۔۔۔ سکون سے سور ہے ہوں گے، میں اگر
چور جھوٹ ہوت سوتے کی بکوشش کر کے دکھانے کا تب بھی اس
کے سامنے کی تیزی سے سمجھ جائیں گے کہ۔۔۔ دراصل وہ سو نہیں
رہا۔۔۔ ہر کمرے کی کھڑکیوں میں شیئے لگے ہیں۔۔۔“

ہاٹ

”میں تمہارا پروگرام ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔“ محمود نے الجھ
کر کہا۔

”ابھی بتاتا ہوں۔۔۔ پسکے دروازہ اندر سے بند کر دو۔۔۔“
فاروق نے کہا۔

”تم تو اس طرح کہ رہے ہو جیسے ہم تمہارے ماتحت ہوں۔“

”چلو تم دونوں میرے افسر ہی سی۔۔۔ میکن دروازہ تو بند کر
دو۔۔۔“ فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

”اگر ہم افسر ہیں تو دروازہ کیوں بند کریں۔۔۔ یہ کام تم کیوں
نہ کرو۔۔۔ فرزاد مسکراتی۔۔۔“

”ہوں والا قوہ۔۔۔ تم دونوں سے زیادہ سست آج تک
میری نظر سے نہیں گزرا۔۔۔“ فاروق نے تملکا کر کہا۔

”تو انہیں ہمارا کیا قصور ہے۔۔۔ تمہاری اپنی نظر کا قصور
ہے بہتر ہے کہ لٹٹ کر الو۔۔۔“ فرزانہ بولی۔

”ٹرٹر نہ کرو۔۔۔ لوہی ہی دروازہ بند کر دیتا ہوں۔۔۔“

”میں کیا مطلب؟“ فرزاد نے پوچھا۔

”تمہارے کان بہت تیز ہیں..... بلکی سے اگلی آواز بھی سی لیتے ہیں۔ تم شروع سے ہی دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو جاؤ گی۔ ظاہر ہے کہ چور دروازے تک چل کر آئے گا۔ وہ کتنا ہی دبے پاؤں آئے..... تم ضرور آہست سن لو گی۔“
بیس چند لمحے کے بعد تم مجھے اشارہ کر دینا، میں اسی وقت انٹھوں گا۔“

”یکن اگر اس نے کھڑکی کے شیشے میں سے دیکھے یا کہ ہم میں سے دو تو کرنسیوں پر موجود ہیں۔ اگر کوئی غائب ہو تو وہ شک نہ پڑے چاہئے گا۔“ محمود نے کہا۔

”اب کا بھی علاج میں نے موقع لیا ہے۔ کرنسیوں کو بیسی جگہ رکھا جا سکتا ہے کہ کھڑکی میں سے صرف دو بھا آئیں۔ تیری ذکھانی بھی نہ دے۔ چنانچہ جب تیری کرسی دکھانی سنیں دے گی تو وہ ہی سمجھے گا کہ ہم میں سے اپک تیری کری پر موجود ہے۔“

”بہت خوب۔ تمہارا پروگرام ہر طرح مکمل ہے۔ آج تو تم ہمیں بہت پچھے چھوڑ گئے ہو۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

”مشکری۔ اب ہمیں کام شروع کر دینا چاہئے۔ یکوں کہ وہ آئنے والا ہو گا۔“

”جنوز تو تمہاری معقول ہے.... اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم تینوں ایک ساتھ کروں میں جھانکتے پھوٹنے کے یا اگل اگل جائیں گے؟“

”اگل اگل ٹھیک رہے گا۔“ فاروق بولा۔

”اوڑ کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ہماری پاتیں ضرور ہی نے“ محمود بولा۔

”ہاں! اس وقت تک یہی ہوتا رہا ہے۔ اگر وہ ہماری پاتیں سنیں سنتا رہا ہے تو اس نے آصف کو کیوں جوہی میں باندھ کر ڈالا۔ ظاہر ہے.... اس نے پاتیں سن لی تھیں۔“

”ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے: ہمیں اس کے دروازے سے تک آنے کا انتظار کرنا ہو گا۔“ محمود بول۔

”ہاں۔“ فاروق کے لیے میں بھوش تھا۔

”ہمیں کس طرح معلوم ہو گا کہ وہ آپکا بے۔“ فرزاد نے سوال کیا۔

”بہت غوب۔ فرزاد نے بہت اچھا سوال کیا۔“
محمود نے اس کی تعریف کی اور سوالیہ نظروں سے فاروق کی طرف دیکھا۔ فاروق مخفی خیز انداز میں جگرا یا اور کرنے لگا:

”میں چانتا تھا۔ تم میں سے کوئی یہ سوال ضرور اٹھانے گا۔ میرے پاس اس کا جواب موجود ہے، فرزاد۔ یہ کام تم کرو گی۔“

رہتا ہے۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ اسی کوٹھی میں رہتا ہے۔
”تو گرمی کیوں کھاتے ہو۔ کونی....“ فاروق کتے کہتے رک گیا۔
درachi دہ یہ کئنے چلا تھا کہ کونی کھانے کی چیز کھاؤ۔ لیکن پھر اس
خیال سے رک گیا کہ کہیں محمود کو.... عصہ نہ آ جائے۔
”کونی کیا۔“ محمود نے پوچھا۔

”جہاں تک میرا خیال ہے.... چور ایک ایسا آدمی ہے۔۔۔
جس کے پار نے میں ہم سوچ بھی سنیں سکتے کہ وہ چور ہو گا۔“
”تو کیا تمہارا اشارہ سیٹھ کریم بھائی کی طرف ہے۔۔۔ کیونکہ
اس گھر میں تو وہی ایک ایسے ہے جن پر شک نہیں کیا جا سکتا۔“
”ہاں! وہ بھی چور ہو سکتے ہیں۔“

”وہ کیسے بھلا۔۔۔ انہیں اپنے زیورات خود چرانے کیا ضرورت
بھتی ہے۔۔۔“

”میں نے تو ایک اندازہ بیان کیا تھا۔۔۔ دراصل میرا خیال یہ
ہے کہ نیم فوری صاحب چور ہیں۔۔۔“

”کیا۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔“

”میں اپنے اندازے کے مطابق۔۔۔“

اسی وقت فرزانہ نے اشارہ دیا کہ چور دروازے پر آ
چکا ہے۔۔۔

یہ کہ کہ اس نے کوئیوں کو اپھا کر دوسرا جگہ رکھنا شروع
کر دیا۔۔۔ پھر فرزانہ کو اشارہ کیا۔۔۔ وہ اپھا کر دروازے تک
لئی اور اپنا کان کیوڑا سے لگا دیا۔۔۔ محمود اور فاروق کوئیوں
پر بیٹھ گئے۔۔۔ دو قوں کی نظری خالی برسی کی طرف ہیں جیسے وہ
فرزانہ کی طرف دیکھ رہے ہوں۔۔۔ کبھی کبھی وہ فرزاد کی طرف
بھی دیکھ لیتے۔۔۔

”اور اب ہمیں گھنٹو مژو مژو کر دینی چاہیے۔۔۔ چور کو کچھ نہ
کچھ سناتا بھی تو ہو گا۔۔۔“ محمود بولا۔۔۔
”کیوں نہ اے کونی گانا سنا دیا جائے؟۔۔۔“ فاروق کے من
سے نکلا۔۔۔

”یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔۔۔“ محمود عزایا۔۔۔
”کیا کروں۔۔۔ عادت پڑ گئی ہے۔۔۔ اب مذاق نہیں کروں گا۔۔۔“
”ہاں تو۔۔۔ تمہارے خیال میں چور کون ہے۔۔۔“ محمود نے
چور کو سنائے کے لئے گھنٹو کا آغاز کیا۔۔۔ جالانکر ابھی چور
دروازے تک نہیں آیا تھا۔۔۔ مگر پہلے ہی گھنٹو مژو مژو کرنا بستر
تھا تاکہ چور آئے تو شک میں مبتلا نہ ہو جائے کہ یہ سب
لے پھانسے کے لئے کیا جا رہا ہے۔۔۔

”میرنے خیال میں چور اس گھر میں ہی موجود ہے۔۔۔“ فاروق بولا۔۔۔
”میں نے یہ پوچھا ہے کہ وہ کون ہے۔۔۔ یہ نہیں پوچھا کہ کہاں

بی لمحے وہ مختلف سھتوں میں دوڑے جا رہے تھے۔ اب ان کا کام یہ تھا کہ وہ ایک ایک کرے میں جھانکتے جا رہے تھے۔ فرزانہ سب سے پلے سیٹھ کریم کے دروازے پر پہنچی۔ وہ پلٹھ پر لیٹھے سورہ بے تھے۔

فاروق نیس نوری کے کرے کے دروازے پر پہنچا۔ وہ بھی سورہا تھا۔ محمود آصف کے کرے پر پہنچا۔ وہ بیٹھا کوئی فلمی رسالہ پڑھ کر رہا تھا، محمود نے ایک نظر سے پر ڈالی اور دوسری آصف کے پیٹ پر۔ وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا۔ تھا کہ آصف کا پیٹ تیزی سے بچول اور پچک رہا ہے یا نہیں۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ آگے سروٹ کوارٹر تھا۔ اس کا دروازہ کھلا تھا۔ محمود نے دیکھا، ایماندار خان بیٹھا اپنے جوتوں پر پائش کر رہا تھا۔ اے اپنے دروازے پر آتے دیکھ کر اس نے سرا و پر اٹھایا۔ خیر تو ہے جناب۔ اگر آپ کو میری صورت بھی تو گھنٹی بجا لی ہوتی۔ اس نے اطمینان سے بھر پر لجے میں کھما۔

نہیں شکریہ۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو یونہی ٹھتا ہوا نکل آیا تھا۔ یہ کہہ کر وہ واپس مڑا۔ اور اپنے کرے میں آگیا۔

باب ۱۶

"اندازے کے مطابق کیا۔ تم کتنے کتنے رک کیوں گئے؟" محمود نے جلدی سے کہا۔

"مجھے کچھ شک ہوا تھا۔" فاروق بولا۔

"کیا شک۔" محمود بولا۔ اب فرزانہ بھی دبے پاؤں اکر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"یہ کہ کوئی دروازہ سے لگا ہماری باتیں سن رہا ہے۔" یہ نہیں۔ یہ میرا دسم ہے۔ بھلا کون دروازے سے لگ کر باتیں سن سکتا ہے؟" "پورا!" فرزانہ چسکی۔

"اوہ۔" تو آؤ دروازہ کھول کر دیکھیں۔ "فاروق نے تیز لمحے میں کہا اور تینوں دروازے کی طرف دوڑے۔ فرزانہ کو یہوں محسوس ہوا جیسے کوئی تیز تیز قدم اٹھتا دروازے سے دور جا رہا ہو۔

انہوں نے چھٹپتی گردی اور باہر نکل آئے، دوسرے

• ہاں — ”مُحَمَّد کے مز سے نکلا۔
 • اب ہم صبح کیا جواب دیں گے؟“ فاروق نے پریشان ہو رکا۔
 • ایسا اعلان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ فرزاد نے منہ بنایا —
 • میرا خیال تھا، بچرپنہ کامیاب رہے گا۔
 • اب سو جاؤ۔ صبح دیکھا جانے کا۔
 • کیا بات ہے — بتیں بہت سہنسی آ رہی ہے؟“ فاروق نے جھے کئے لبھے میں کہا۔
 • تو اور کیا کروں — روؤں — میں ناکامیوں پر رویا بنیں کرتا۔
 • جی ہاں — ہم ہی تو روتے ہیں۔ فرزاد تڑ سے بولی۔
 • کیوں نہ آج رات ہم چاگ کر گزاریں۔“ فاروق نے پکھ سوچ کر کہا۔
 • کیوں — اس سے کیا ہو گا۔“ مُحَمَّد بولا۔
 • شاید آج رات چور کوئی حرکت کرے۔ کیونکہ وہ چانتا ہے.... صبح ہم اپنا اندازہ بیان کریں گے۔
 • بات تو تھیک ہے۔ فرزاد بولی۔
 • تو پھر ایسی کرتے ہیں کہ باری باری جاگتے ہیں۔

فاروق اور فرزاد اس سے پہلے آپکے تھے۔
 • کیوں — کیا رہا۔“
 • تائین ملائیں فرش۔“ فاروق نے مایوسانہ بچے میں کہا۔
 • اور تم فرزاد — تم نے کیا دیکھا۔“
 • خاک دھول۔“
 • واہ۔ بہت اپھی پیزیں دیکھ آئی ہو۔“
 • تم اپنی سناؤ۔ تم کیا تیر مار آئے ہو۔“
 • اندر چھیرے میں تیر چلانے کا فائدہ مشکل ہی سے ہوتا ہے۔
 مُحَمَّد نے کہا: ”ہم نے یہ پروگرام بنایا تو ضرور تھا، لیکن ہم بھول گئے کہ چور ہم سے بھی چالاک ہے۔ دیکھوں۔۔۔ اگر کوئی آدمی کروٹ کے بلیٹ جائے تو صاف نظر میں آتا کہ وہ جھوٹ موت کا سورہا ہے یا پسک پسج۔“
 • تو کیا آصف اور ایماندار خان بھی سوئے ملے ہیں۔“
 • سہیں۔ اتفاق سے وہ دونوں چاگ رہے تھے۔ آصف ایک غلی رسالہ پڑھ رہا تھا اور ایمان دار خان اپنے جو قوں پر پاش کر رہا تھا۔ نیچارے کو صبح وقت نہیں ملتا ہو گا۔“
 • ہوں۔ اس کا مطلب ہے، ہم ناکام رہے۔“

نیز کو جانے کی لیا ضرورت ہے۔

"بول۔۔۔ یہ تھیک رہے گا۔۔۔ محمود نے کہا۔۔۔
سب سے پہلے میں ہاگوں گا۔۔۔ تم دونوں سو جاؤ۔۔۔"
"بہت اچھا۔۔۔"

فاروق اور فرزانہ سونے کے لئے بیٹ گئے اور محمود
کمرے سے باہر نکل گیا۔ رات دبے پاؤں گزر وہی تھی۔۔۔
مودودیوں میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔۔۔ برآمدوں میں
تاروں کی روشنی کی وجہ سے دیکھا جا سکتا تھا۔۔۔ یوں سب
بہ سمجھے ہونے تھے۔

اچانک ان نے محسوس کیا۔۔۔ کوئی کا صدر دروازہ نکلا
ہے۔۔۔ بلکہ سی چھپڑاہٹ کی آواز اس کے کافنوں تک آئی۔
تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔۔۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف
بڑھا۔ اس نے دیکھا۔۔۔ ایک سایہ سا دروازے میں سے
نکل کر جا رہا ہے۔۔۔ ایک پل کے لئے اس نے سوچا کہ فاروق
اور فرزانہ کو باخبر کرے یا تھنا ہی اس کے پیچے جائے۔

پھر خیال کیا کہ اس نے اٹھانے میں کہیں دیر د ہو جائے اور
یہ نعروں سے اوچیل نہ ہو جائے۔ یہ سوچتے ہی وہ بھی باہر
نکل آیا۔۔۔ اب وہ کافی فاصلہ درمیان میں رکھ کر اس کا دیکھا
کر رہا تھا۔۔۔ سائے کا رنج پرانی حوالی کی طرف تھا۔۔۔ چھوڑ کی دیر

بعد وہ حوالی تک پہنچ گئے۔۔۔ محمود نے اسے حوالی کا تالا کھوئے
ہونے دیکھا۔۔۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

دروازہ کھلنے پر سایہ اس کی نظروں سے اوچیل ہو گیا
اس نے آؤ دیکھا نہ تا تو، تیزی سے آگے بڑھا۔۔۔ حوالی کا دروازہ
پورٹ کھلا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آگے کھلنے لگا۔
اسے ذر تھا کہ ذرا سی آہست بھی پیدا ہو گئی تو سایہ چونک
جانے گا اور پھر شاید وہ فزار ہی ہو جائے۔

اس نے دیا سلانی رگڑنے کی آواز سنی۔۔۔ شاید سایہ کوئی
موم وغیرہ جلا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمبے ایک کمرے میں مدھم
روشنی جھکی۔۔۔ وہ اس طرف بڑھا۔۔۔ احتیاط کا دامن اس
نے اب بھی مینیں چھوڑا تھا۔۔۔ وہ جانتا تھا، اس وقت
اس کے پاس کوئی سبقیار نہیں ہے۔۔۔ جب کہ میں ملکن
تھا کہ چور کے پاس پتوں یا چاقو وغیرہ ہو۔

دیوار سے لگ کر آگے کھکھتے ہوئے جب وہ
اس کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا تو اسے
اندر ایک عجیب منظر نظر آیا۔۔۔ پور اندر محمود ص۔۔۔
اس کے سامنے زیورات کا ایک چھوٹا سا ذہیر لگا
ہوا تھا۔۔۔ وہ اس نیں پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے
اچھاں رہا تھا اور پھر اچانک اس کے قبھے گونخ

بائچا

صبح ناشتے کی میز کی طرف جاتے ہوئے فاروق اور
فرزانہ محمود پر بڑی طرح برس رہے تھے۔
آخر تم نے ہمیں اپنی باری کے بعد کیوں نہیں جگایا۔
”بھنی— خودرت نہیں رہی تھی۔“
”خودرت نہیں رہی تھی۔ کیا مطلب۔“ فرزانہ چونگی۔
”ہاں! چند منٹ صبر کرو۔“ بھنی ناشتے کی میز پر سب
کچھ سامنے آ جائے گا۔“
”لیا سامنے آ جائے گا۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔
”جو کچھ بھی اس داتھے کی تہ میں کام کر رہا ہے۔“
”تو کیا تم تد تک پہنچ چکے ہو۔“
”ہاں! خیال تو یہی ہے۔“ محمود مسکرا یا۔
وہ میز پر پہنچ چکے تھے۔ ایمان دار خاب ناشتا میز پر
لگا رہا تھا۔ چند منٹ بعد ناشتا شروع ہو گیا۔ قادر ہونے
کے بعد سینھ کریم ہو لے:

انٹے

محمود نے سوچا۔۔۔۔۔ اب اسے یہاں نہیں بھٹڑنا چاہیئے۔
وہ مٹا اور اسی طرح بھٹکتا ہوا باہر نکل آیا۔

کان بہت تیز ہیں اور وہ قدموں کی ہلکی سے ہلکی چاپ بھی
سی لگتی ہے تو وہ یہ حماقت نہ کرتا۔ خیر فرزان کو
معلوم ہو گیا کہ چور دروازے پر آ چکا ہے۔ بس، ہم
یہ کہ کر دروازے کی طرف بڑھے کہ چور ضرور ہماری
بائیں سی رہا ہے۔

ہم نے دروازہ کھولا تو باہر کوئی نہیں تھا۔ ظاہر
ہے کہ چور دہان سے ٹھنک گیا تھا۔ ہم پہنچ بھی پروگرام
ٹے کر پچھے تھے، چنانچہ ہم تینوں نے ہر ایک کے کمرے
کا جائزہ لیا۔۔۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ چور کون ہو سکتا
ہے۔ سیوط صاحب ہمیں سوتے ہے، نیم نوری صاحب
بھی سورجے ہتھیں مسٹر اصف ایک علمی رسالہ پڑھ
رہے ہتھیں۔۔۔ ایمان دار خان اپنے جو توں پر پاش کر
رہے ہتھیں۔

ہم نے سوچا یہ ممکنا کہ چور کو اتنا وقت نہیں ملے گا
کہ وہ جلدی سے اپنے کمرے میں جا کر سوتا بن جائے۔
اب دو آدمی ہمیں سوتے ہے۔۔۔ دو جاتے۔۔۔ لیکن یہ
بھی ہو سکتا ہے کہ سونے والے جھوٹ موت سورجے
بھول اور انہیں اتنا وقت مل گیا ہو کہ وہ چار پانی پر
لیت کر چادر تان کر سوتے بن گئے ہوں۔

• ہاں بھی۔۔۔ آج آپ وگ اپنے اندازے کا انکسار
کریں گے یہ۔۔۔

• بھی ہاں۔۔۔ ہم نہ صرف اندازے کی بات کریں گے
 بلکہ آج آپ کے چور کو بھی نہیں نے نقاب کر دیں گے۔۔۔
• کیا مطلب۔۔۔ کیا آپ وگ جان پچھے ہیں کہ چور کون
ہے۔۔۔

• ہاں۔۔۔ ابا جان۔۔۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ سے
پہلے چور تک پہنچ گئے۔۔۔ اس مرتبہ محمود نے انگریز جمیشید
سے کہا۔۔۔

• مجھے خوشی ہے بھی۔۔۔ اور پھر میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں۔
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔۔۔

• تو پھر درا جلدی تباہیے۔۔۔ چور کون ہے۔۔۔

نیم نوری نے بے تاب ہو کر کہا۔۔۔

محمود نے اسے طنز بھری نظریوں سے دیکھا اور کہنے لگا۔
• ہم نے رات اعلان کیا تھا کہ آج ناشتے کی میز
پر اپنا اندازہ تباہیں گے۔۔۔ اس کے بعد ہم اپنے کمرے
میں چلے گئے۔۔۔ دہان ہمیں آپس میں مشورہ کرتا تھا۔۔۔ چنانچہ
یہی ہوا، چورہ بھاری بائیں سننے کے لیے دروازے سے کان
لگا کر کھڑا ہوا گیا۔۔۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ بھاری بن کے

"ہاں ہا یہ میں نے سینیں تبایا... بلکہ آپ بھول رہے ہیں۔
میں نے تو ابھی یہ بھی سنیں تبایا کہ وہ زبردست غلطی کیا
تھی جو چور سے سرزد ہوئی تھی۔"

"ارے ہاں ۔۔۔ یہ بات بھی رہ گئی۔"

"خیر..... میں تباہا ہوں ۔۔۔ ابھی ابھی میں نے تبایا تھا
کہ جب ہم نے باہر نکل کر سب کو دیکھا تو مسٹر اصف قلمی
رسالہ پڑھ رہے تھے۔"

"ہاں ۔۔۔ تو ۔۔۔ تو کیا ۔۔۔ یہ چور ہے۔" سیدھ کریم نے
حیران ہو کر کہا۔

"سنیں ۔۔۔ اور میں نے تبایا سختا کہ ایمان دار خان اپنے
جو قوں پر پاش کر رہے تھے۔"

"ہاں ۔۔۔ تو پھر ۔۔۔ اس سے کیا؟ نیسم نوری بوسے۔
ان پکڑ جشید برابر سکرانے جا رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے
تھے کہ اس وقت محمود سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔
اور وہ انہیں چکر پہ چکر دے رہا تھا۔

"بس یہ ایمان دار خان کی زبردست غلطی تھی۔"
کیا مطلب ۔۔۔ وہ سب ایک ساتھ چلائے۔ البتہ
چلانے والوں میں ان پکڑ جشید سنیں تھے۔
فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں بھی حیرت کے مارے

یہ سب باتیں ہماری نظرودی میں بھیں اور ہو سکتا تھا کہ
ہم کسی نیچتے پر دپنخ سکتے، لیکن چور سے ایک زبردست
غلطی ہو گئی ہے میں نے بھاپ یا۔۔۔ اور یہ سب پچھے
گھبراہٹ میں ہوا۔۔۔ بس میں نے فوراً سمجھ لیا کہ چور یہی
ہے۔۔۔ اس کے بعد ہم اپنے کمرے میں آگئے۔۔۔ میرا
ارادہ رات بھر چور کی نگرانی کرنے کا تھا۔۔۔ اتفاق سے
فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی بتویز پیش کی۔ انہیں یہ معلوم سنیں
ہو سکتا تھا کہ چور کون ہے۔۔۔ میں نے انہیں کچھ نہ تباہا اور
نگرانی کرنے کے لئے باہر آگیا۔ چور رات کے وقت
اپنے کمرے سے نکلا اور پرانی حوالی ملک گیا۔

"کیا کہا۔۔۔ پرانی حوالی ملک ۔۔۔ سیدھ کریم بھائی چلائے۔

"جی ہاں ۔۔۔ وہاں جا کر اس نے ایک کمرے میں
دفن نیورات نکالے اور انہیں دونوں ہاتھوں سے اچھال
اچھال قبیقے لکانے لگا۔۔۔ یہ اس کی کامیابی کا ثاثان تھے۔
اگرچہ ایک سال سے یہ انہیں پیچھے سنیں سکا تھا۔۔۔
تو جناب یہ تھی کل کہانی" یہ کہہ کر محسود خاموش
ہو گیا۔۔۔

کل کہانی۔۔۔ نیسم نوری نے حیرانہ موبک کہ۔۔۔ میں
آپ نے یہ کب تباہا ہے کہ چو۔۔۔ کون ہے۔۔۔

چڑائے تھے.... لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ ایماندار خود کون
ہے؟ یہ کتنے وقت انپر جشید مگر ائے۔

"آپ کیا کہنا چاہتے یہ؟" سیٹھ کریم نے حیرت زدہ انداز
میں کہا۔

"ایمان دار خان آپ کے بھائی عظیم صاحب یہیں.....
مشتر آصف.... اپنے والد سے ملے۔"

"کیا؟" آصف اور سیٹھ کریم اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"ہاں! آج سے دس سال پسے یہ یہاں سے غائب ہو
گئے تھے.... وجہ میں بتاتا ہوں۔ دراصل اسیں پھپٹ میں

ہی چوری کی عادت پڑ گئی تھی۔ ماں باپ نے اسیں نہ تو کا
اور یہ ماہر چور بن گئے۔ گھر میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی

اسیں چوری کا چکا پڑ گیا۔ یہ ادھر ادھر ہاتھ مارنے
لگے۔ آج سے دس سال پھرے یہاتفاق سے پڑ گئے۔

سیٹھ صاحب نے اسیں بچاتے کی بہت کوشش کی مگر وہ
کامیاب نہ ہو سکے اور اسیں پانچ سال قید کی سزا بول دی

گئی، لیکن یہ جیل سے بھاگ گئے اور روپوش ہو گئے۔ آٹھو
سال انہوں نے گناہ کی حالت میں گزارے اور اس دوران

ڈاڑھی بھی رکھ لی تاکہ پچھاتے نہ جائیں۔ جب آٹھ سال
کا عرصہ گزر گیا اور انہوں نے سوچ لیا کہ اب اسیں کوئی

لکھی کی لکھی رہ گیں۔

"ہاں۔ ایمان دار خان پاش کر رہے تھے۔ ان کے
باشناختہ میں سیاہ رنگ کا جوتا تھا.... لیکن یہ اس
ہر پاش سرخ رنگ کے برش سے کر رہے تھے۔"

"کیا؟" وہ ایک بار پھر چلا ائے
پھر کمرے میں سوت کی سی خاموشی چھا گئی۔ وہ سب
پھٹ پھٹ آنکھوں سے ایمان دار خان کو دیکھ رہے تھے۔
اور ایمان دار خان کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔
اچانک اس نے مجرماً ہونی آواز میں کہا۔

"ہاں! یہ بھینک ہے۔ چور میں ہوں۔ مجھے گرفتار کرو۔"
اسیم نوری چلانگ ناز کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس
کے ہاتھوں میں مہکڑیاں ڈال دیں۔ اسی وقت انپر جشید
کی آواز اسیں سانپی دی۔

"کہاںی یہاں پر ہی ختم ہیں ہو جاتی۔ ابھی اس کا
کچھ حصہ باقی ہے۔"

"کچھ حصہ باقی ہے.... کیا مطلب؟" محمود بری طرح پونکا،
دوسرے بھی انپر جشید کو تبحیر لے گئے۔

"ہاں! یہ تو بھینک ہے.... کہ ایمان دار خان ہی دہ چور
ہے۔ جس نے ایک سال پھرے سیٹھ صاحب کے زیورات

کا جائزہ لیتا۔ اور محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھلی پھٹی دے دی۔ سین میں ان کی نگرانی بھی کرتا رہا کہ کمیں یہ کوئی نعلیٰ نہ کر جائیں چنانچہ جب محمود ان کا تعاقب کرتے ہوئے حولیٰ تک گی تو میں بھی اس سے تھوڑے سے فاصلے پر تھا۔
یہ کہ کہ وہ خاموش ہو گئے۔ سب سکتے میں آگئے.....

”اور اب نیم صاحب.... آپ کا مجرم آپ کے حوالے ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب یہ اپنی سزا پوری کر کے ہی واپس آئیں گے۔— ذرا ہونے کا کوئی نامہ نہیں۔ جرم کیا ہے تو نہر بھی بھکتا ہی چاہئے۔ فزار ہو کر آدمی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ وہ ساری زندگی ڈرتا رہتا ہے۔“

کمرے کی فضاض پر ایک بو جعل سی خاموشی طاری ہو گئی۔ سیدھے کریم کے بھائی کا سر جھک گیا۔

”گر ابا جان!.... آصف تو ان کے بیٹے ہیں، پھر انہوں نے بیچارے آصف کو حولیٰ میں کیوں باندھ کر ڈال دیا؟“ محمود نے سوال کیا۔
”معاملے کو الجھانے کے لئے“ انہوں نے جواب دیا۔

نہیں پھیان کے گا تو یہ داپس لوئے۔۔۔ میکن ایک ملازم کی بیشیت سے۔۔۔ کیونکہ اپنے آپ ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صرف اپنے بیٹے کے قریب رہنا چاہتے تھے، چنانچہ یہ یہاں آ کر ایماندار خان کے نام سے ملازم ہو گئے۔ بہت جلد انہوں نے اس گھر میں اپنی ایمانداری کا سکد جایا۔ میکن... پوری کا چسکا ابھی گیا ہیں تھا۔۔۔ ایک دن سیدھے صاحب باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ اتفاق سے اپنی چابی گھر ہی بھول گئے۔ بس انہوں نے بجوری کھولی اور زیورات نکال لیے۔۔۔ اب انہوں نے سوچا۔۔۔ زیورات کماں چھپائش... تو فوراً حولیٰ کا خیال آ گیا۔۔۔ یہ وہاں گئے اور زیورات ایک گھر سے میں دفن کر دیے۔۔۔ نیم فوری صاحب نے خوب تلقیش کی، میکن پوری کا سراغ نہ ملا۔۔۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔۔۔ خدا کو انہیں سزا دینا منظور تھا۔۔۔ جرم کی سزا ضرور ملتی ہے۔۔۔ ان کے ذہن میں عزور پیدا ہوا اور انہوں نے سمجھ دیا کہ انہیں کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔۔۔ بس انہوں نے شنجی میں آ کر مجھے خط لکھ مارا۔۔۔ اور اس طرح ہم یہاں پہنچ گئے۔۔۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں جب اس گھر میں داخل ہوا تھا، اسی وقت جان گیا کہ پوری یہی میں پھر تصویر دیکھ کر تو کوئی شک ہی نہ رہا۔۔۔ میکن میں خاموشی سے حالات

۔ اور آصف صاحب کی اور ان کی تحریریں کیوں آپس میں
متعصبی میں ۔

”یہ قدرتی طور پر ہے۔ اس میں ان کے ارادے کو کوئی
دخل نہیں ہے۔ خود عظیم صاحب کو بھی یہ بات حکوم نہیں
سمی کر ان کی حرثیہ ان کے بیٹے سے ملتی جلتی ہے۔
”اوہ! محمود کے منہ سے نکلا۔

اور پھر وہ جو میں سے زیورات نکالنے کے لئے چل پڑے۔ آصفت بہت اداک نظر آ رہا تھا۔ اتنے دنوں کے بعد باپ کی شکل نظر آئی تھی..... لیکن پھر پھر جانے کے لیے۔

